وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا (النساء ۱۲۵)

اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا گہرا دوست بنایا۔ (ترجمہ کنز الایمان)

مقام سیدنا ابراھیم علیہ السلام

تالیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور

ناشر

اکبر بک سیلرز لاہور

۷۸۶
۹۲

نام کتاب .... مقامِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام

مصنف .... مفتی غلام حسن قادری

پروف ریڈنگ .... حافظ رضاء الحسن قادری

بفرمائش .... مولانا الحاج اصغر علی نورانی

پیشکش .... انوارِ باہو لائبریری، لاہور

کمپوزنگ .... نور کمپوزنگ سنٹر (محمد ابصار)

ناشر .... محمد اکبر قادری عطاری

سنِ اشاعت 2006ء

قیمت .... 120 روپے

حُسنِ ترتیب

انتساب

حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دیس عراق، مخدوم الاولیاء حضرت داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے وطن افغانستان، پاکستان کی شہ رگ کشمیر جنت نظیر، نبیوں کی سرزمین فلسطین، بیروت ولبنان اور دنیا کے مختلف خطوں میں ہنود و یہود و نصاریٰ کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر شہادت کی سعادت حاصل کرنیوالے خوش نصیبوں کے نام۔ ابراہیم علیہ السلام کی تین بڑی آزمائشوں کی نسبت سے شاعرِ مشرق علامہ اقبال کی زبان میں مندرجہ ذیل تین اشعار کا نذرانہ محبت پیش کرنے کے ساتھ

1- شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

2- غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتداء ہے اسماعیل

3- ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

O

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(غلام حسن قادری)

عرضِ مُرتّب واظہارِ تشکّر

زیرِ نظر کتاب مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیارے خلیل علیہ السلام کے فضائل وحالات پہ مشتمل ہے اس کتاب میں اس موضوع پہ کئی نکات آپ کو ایسے ملیں گے جو اس کتاب کے علاوہ آپ کو اور کسی کتاب میں نہ ملیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) بالخصوص ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات کے عنوانات کو جس منفرد انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا حصہ اور اس کی امتیازی شان ہے اور یہ سب فیضان ہے اللہ کے پیارے خلیل، جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کا اور سب سے بڑھ کر ان دونوں جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہستیوں کے فرزند ارجمند اور نورِ نظر امام الانبیاء حبیب کبریا علیہ الوف التحیۃ والثناء کی نگاہ پاک کا صدقہ ہے۔

علاوہ ازیں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم الشان قربانی کے بارے میں تفصیلات بھی اس کتاب کی زینت ہیں نیز قربانی کے مسائل وفوائد، اسرار ورموز اور اس کا وجوب ولزوم بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

انشاء اللہ یہ کتاب عوم الناس، دینی طلباء اور بالخصوص مقررین کیلئے ان موضوعات پر خطاب کرنے میں بڑی مفید ثابت ہوگی۔

کتاب کے نام سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ شاید یہ کتاب خاص اس پتھر کے بارے میں لکھی گئی ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی۔

یعنی جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کا اوپر والا حصہ تعمیر فرمایا تھا۔ اگر چہ اس بابرکت پتھر کا ذکر بھی اس کتاب میں آپ پڑھیں گے تاہم

مقام ابراہیم سے مراد وہ جگہ نہیں بلکہ آپ کا مرتبہ و مقام اور آپ کی فضیلت و شان ہے۔
میں نے اسی وجہ سے کتاب کے ٹائٹل پہ مندرجہ بالا آیت لکھنے کی بجائے واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلا۔ والی آیت لکھی ہے ورنہ کتاب کے نام کے مطابق تو وہی آیت زیادہ موزوں تھی۔

جن کرم فرماؤں نے اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو دارین کی سعادتوں سے نوازے۔
بالخصوص محمد اکبر قادری صاحب (اکبر بک سیلرز) میری خصوصی دعاؤں کے حق دار ہیں جنہوں نے اس سے پہلے بھی میری ایک کتاب ''زبدۃ الحسن مقالات وخطبات حسن'' المعروف (اٹھارہ تقریریں) بڑے عمدہ طریقے سے شائع فرمائی ہے۔
اور اپنے محسن و مربی شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے نورنظر اور لختِ جگر صاحبزادہ سید مرتضیٰ اشرف رضوی صاحب بھی میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں جنہوں نے میری مندرجہ بالا کتاب چھپنے پر میری بہت ہی حوصلہ افزائی کی اور جس انداز سے انہوں نے خوشی کا اظہار فرمایا ان کے الفاظ میرے لیے سرمایۂ حیات ہیں اور یہ انہی کے بزرگوں کا فیضان ہے کہ بندہ آج کچھ لکھنے کے قابل ہوا ہے ورنہ من آنم کہ من دانم کیا پدّی اور کیا پدی کا شوربہ۔ امید ہے کہ ان کی پشت پناہی اور حمایت میرے شامل حال رہے گی تو انشاء اللہ یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری رہے گا۔
میرے ایک اور ''کرم فرما'' (برادرِ حقیقی) الحاج قاری محمد اصغر نورانی صاحب بھی میری ہر کتاب پہ میری طرف سے خصوصی شکریے اور مبارک کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ انہی کی تحریک ومحبوبانہ اصرار پر میں نے یہ سلسلۂ خیر شروع کیا ہے جو ''شان مصطفیٰ بزبان مصطفیٰ'' سے لے کر تاہنوز جاری ہے اور ان کی طرف سے مسلسل میری حوصلہ افزائی ہو رہی ہے خدا تعالیٰ ان کے علم وفضل، جود وسخا اور صحت وتندرستی میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ (الدال علی الخیر کفاعلہ)

علاوہ ازیں پیر طریقت علامہ سید مسعود احمد رضوی صاحب، پروفیسر محمد اکرام صاحب

(قاضی پبلی کیشنز لاہور) جناب محمد علی زاہد صاحب، جناب محمد ریاض اعظمی صاحب، جناب مفتی عبدالکریم مہروی صاحب (جامعہ نظامیہ لاہور) جناب حافظ محمد اصغر القادری صاحب، جناب حافظ محمد زبیر صاحب (اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ) جناب قاری خدابخش بصری صاحب، جناب قاری محمد ریاض فاروقی صاحب، جناب قاری غلام مرتضیٰ نقشبندی صاحب (مدرس جامعہ نعیمیہ لاہور) جناب میاں محبوب صادق صاحب (محبوب ایسوسی ایٹس لاہور)، جناب میاں مبارک علی صاحب (داتا اسٹیٹ ایجنسی لاہور)، جناب احمد حسن صاحب (یونائیٹڈ بنک لاہور)، جناب قاری محمد اکرم فیضی صاحب، جناب قاری غلام رسول نقشبندی صاحب (اعوان ٹاؤن لاہور)، جناب رانا ساجد محمود قادری صاحب (بسطامی پریس لاہور) سید نور الحسن گیلانی صاحب، جناب میاں عبدالعلی عابد صاحب (حبیب ہوٹل داتا دربار لاہور)، جناب محمد سہیل طفیل صاحب (ریگل، لاہور)، قاری محمد ریاض فریدی صاحب جامع مسجد جمال مصطفیٰ، موری گیٹ لاہور، حافظ میاں محمد عارف صاحب، افتخار علی قریشی صاحب، جناب مولانا اعجاز حسین صاحب، جناب قاری محمد اقبال سیال صاحب، حافظ محمد اقبال حجروی صاحب، حافظ محمد نواز صاحب، قاری غلام اکبر سخی صاحب، مولانا غلام قادر صاحب، محمد اکرام اللہ نورانی صاحب، چوہدری عبدالحمید صاحب، حافظ محمد آصف صاحب، قاری محمد اختر سیالوی صاحب (حزب الاحناف لاہور) اور حافظ محمد رضاء الحسن قادری یہ تمام حضرات اور ان کے علاوہ بھی بہت سارے حضرات جو مجھ سے دلی محبت کرتے ہیں میری طرف سے تہہ دل سے شکریے کے حقدار و سزاوار ہیں۔ خداوندِ کریم ان تمام حضرات کو اپنی بے پایاں نعمتوں سے نوازے۔ امین ثم آمین بحرمة طٰهٰ و یٰسین۔

؎ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

(غلام حسن قادری)

خطبہ

ان الحمد لله، نحمده ونستعينه، ونستهديه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يُضلله فلا هادى له۔ وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأن محمداً عبده ورسوله، أرسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله، ويُخرج الناس من الجاهلية العمياء الى نور الاسلام، ويهديهم الى ما خلقوا له۔

قال الله تعالٰى فى كتابه العزيز:

"ولقد اٰتينا ابراهيم رشده من قبل و كنا به عٰلمين"۔ (الانبیاء:51)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو (ان کی ابتدائی عمر میں بالغ ہونے سے) پہلے ہی اس کی نیک راہ عطا کردی اور ہم اس سے خبردار تھے (کہ وہ ہدایت ونبوت کے اہل ہیں) (ترجمہ کنزالایمان مع حاشیہ خزائن العرفان)

صدق الله العلى العظيم۔

سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

پیدائش، نام، کنیت اور نسب نامہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کنیت ابوالضیفان ہے (ابن عساکر عن عکرمہ رضی اللہ عنہ) جس کا معنیٰ ہے، بہت زیادہ مہمان نواز۔ جبکہ آپ کا شجرۂ نسب اس طرح ہے:

''حضرت ابراہیم علیہ السلام بن تارخ بن ناخور (یا ناحور) بن ساروع (یا ساروغ یا ساروج) بن رعو (یا ارغوا) بن تانع (یا فالغ یا خالغ) بن عابر بن شالح (یا شالخ) بن ارفشذ (یا ارفخشذ) بن سام بن نوح علیہ السلام''۔ (تفسیر حقانی، قصص الانبیاء)

جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام ''امیلہ'' تھا۔ (ابن عساکر عن اسحق بن بشر الکاحلی)

اور کلبی کے نزدیک آپ کی والدہ کا نام بونا بنت کربنا بن کرثی تھا جو کہ بنو ارفخشذ بن سام بن نوح علیہ السلام سے تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی اولاد میں دسویں فرزند ہیں اور آپ کی پیدائش کلدان کے شہر ''اُور'' میں ہوئی۔ (تورات)

ایک قول کے مطابق آپ کی پیدائش امواز کے علاقے سوس میں ہوئی۔

(خزائن العرفان، تفسیر نعیمی 630/1)

جبکہ تفسیر حقانی میں لکھا ہے کہ آپ کی پیدائش بابل شہر کے قریب قصبہ ''کوثی'' میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (مزید اقوال بھی آگے آرہے ہیں)

آپ کے نام ''ابراہیم'' کو اہل عرب نے سات طرح پڑھا یا بولا ہے۔

ابراہیم، ابراہام، ابراہم، ابرہم، ابراہوم، ابرام، برہم۔

ابراہیم نام کی اصل ''اب رہم'' ہے جس کی تصغیر مجد الدین فیروز آبادی نے تبریہ، ابیرہ اور بریہیم لکھی ہے۔ شارح قاموس کہتے ہیں ہوسکتا ہے صاحب قاموس کے خیال میں یہ عربی لفظ ہو۔

تورات میں دو طرح سے آپ کا اسم گرامی آیا ہے۔ ابراہیم، ابرام۔ یعنی پہلا حصہ اب ہے جس کا معنی ہے باپ اور ''راہیم'' کلدانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنیٰ ہے عوام۔ اس لحاظ سے اس کا معنیٰ لوگوں کا باپ بنتا ہے جس کی تصدیق قرآن و حدیث سے اس طرح ہوتی ہے کہ قرآن پاک میں ہے:

ملة ابیکم ابراهیم۔

اور حدیث شریف میں قربانی کے بارے میں فرمایا گیا:

سنة ابیکم ابراهیم۔

''قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے''۔

بعض محققین نے لفظ ابراہیم کو ''اَبْ رَاحِمْ'' سے مانا ہے یعنی مہربان باپ جو بعد میں ابراہیم ہو گیا۔ اس طرح ابراہیم کا لفظ اب مکمل عربی قرار پائے گا۔ (واللہ اعلم)

نبیوں کی مائیں اور امام الانبیاء کی والدہ ماجدہ:

اس سلسلہ میں پہلی بات یہ یاد رہے کہ کسی نبی کی ماں کافرہ نہیں ہوئی۔

اس عقیدے کو مسالک الحنفاء میں بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے تو سید الانبیاء کی والدہ کی شان تو وراء الوریٰ ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں مسالک الحنفاء صفحہ 38، 39)

سیرت حلبیہ میں بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ کو جس عورت نے بھی دودھ پلایا وہ مسلمان تھی۔ بعض کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو دودھ پلانے والی عورتیں چار تھیں۔ آپ کی والدہ (سیّدہ آمنہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا)، حلیمہ سعدیہ، ثوبیہ اور ام ایمن۔ اور یہ تو رضائی والدہ کا مقام ہے حقیقی والدہ کو یقیناً اعلیٰ درجہ جنت میں ملے گا۔

تفسیر مظہری میں کہا گیا ہے کہ اس تابوت میں جس کا ذکر سورۂ بقرہ کی آیت

248 میں فرمایا گیا تورات کی دو تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے ٹکڑے تھے، جو ٹوٹ گئی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین اس میں تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی پگڑی اور عصا بھی اس میں تھا۔

تابوت سکینہ اور اس میں رکھے گئے تبرکات کی اہانت کرنیوالوں کا تذکرہ آپ تفاسیر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں مختصر یہ کہ اس صندوق میں دو پیغمبروں کی مختلف اشیاء تھیں۔ پگڑی اس لیے کہ وہ ہارون علیہ السلام کے سرانور کو چھو چکی تھی، نعلین نے موسیٰ علیہ السلام کی قدم بوسی کی ہوئی تھی، عصا نے بھی موسیٰ وہارون علیہما السلام کی دست بوسی کی تھی اس وجہ سے یہ تبرکات جس صندوق میں تھے وہ بابرکت ہوگیا۔ اور اس کے وسیلہ سے دشمن پر فتح کی دعاء کی جاتی تھی۔ فرشتے اسے آسمانوں پر اٹھاتے پھرتے تھے۔ اور جب اس کی اہانت کی گئی تو بستیوں کو ہلاک کردیا گیا۔ ایک طرف یہ تبرکات اور ان کی شان اور دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اقدس سے لگنے والی کوئی چیز نہیں بلکہ خود سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس نو ماہ تک اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ اطہر میں جلوہ فرما رہے۔ اس والدہ مکرمہ محترمہ کے بابرکت اور خوش قسمت ہونے میں شک کیسے کیا جا سکتا ہے؟ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ فرما ہونے کی برکت سے آپ کی والدہ بابرکت ہوئیں۔ انہیں کافرہ یا مشرکہ کہنے والے یہ سوچ لیں کہ تابوت سکینہ کی اہانت کرنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کو کافرہ یا مشرکہ کہہ کر جو لوگ توہین کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے ایمان کا حال کتنا تباہ ہوگا اور قیامت میں ان کی بربادی کیسی ہوگی؟

سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیض سے استدلال:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا۔

(سورۃ یوسف آیت ۹۳)

''میرا یہ کرتا لے جاؤ، اسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی''۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض اور اس کی اثر انگیزی کا واقعہ کسی عام کتاب سے ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسے بیان فرما کر اس کی حقانیت پر مہر ثبت فرما دی۔ اس واقعہ سے کئی ایک امور ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن جس مقصد کے پیشِ نظر ہم نے یہ آیت پیش کی ہے۔ اس کا اس مضمون سے تعلق یوں ہے کہ ایک بے جان چیز جس کا مختصر وقت کیلئے تعلق ایک پیغمبر کے جسمِ اقدس کے ساتھ ہو گیا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اتنا برکت والا بنا دیا کہ متاثرہ بینائی اس کی وجہ سے بحال ہو گئی۔ اس میں آنے والی خوشبو کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کوسوں دور سے محسوس کر رہا ہے۔ جب ایک بے جان کپڑے کو پیغمبر کے جسم کے ساتھ لگنے سے یہ سعادت حاصل ہو گئی تو اس جسمِ اطہر کی برکتوں اور کرامتوں کا شمار کیسے ہو سکتا ہے جس میں سید الانبیاء محبوبِ کبریا جناب رحمۃ للعالمین نو ماہ قیام فرما رہے۔ اس شکمِ اطہر کو اگر ہفت فلک اور جنت پر فوقیت دی جائے تو کوئی عجیب بات نہ ہو گی۔ اس کی حقیقت سمجھنے کیلئے حضرات علماء کرام کے ان اقوال کو دیکھئے جن میں یہ بحث کی گئی ہے کہ:

✿ ''سرکارِ دو عالم ﷺ کا مرقدِ پاک عرشِ معلیٰ اور کعبہ مکرمہ سے افضل ہے''۔

حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے خون شریف کو نوش کر گئے۔ جس پر انہیں بارگاہِ رسالت سے یہ مژدہ ملا کہ تمہیں دوزخ کی آگ نہیں چھو سکتی۔ اس مقام پر کتب سیر میں ایک حدیث نقل کی گی ہے کہ

من مس دمه دمی لم یخالطه ذنب و هکذا من مازج بدنه شیئاً منه۔

جس کے خون سے میرا خون مل گیا اس میں گناہ نہیں آسکتے۔ اور اس طرح جس کے بدن کے ساتھ آپ کی کسی چیز کا تعلق ہو گیا وہ بھی گناہوں سے دور رہے گا۔ آپ

کے خون کا کچھ حصہ یا آپ کے جسمِ اطہر میں سے کوئی چیز کسی دوسرے کے جسم میں حل جائے تو دوزخ حرام، لیکن جس کے ساتھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بتمام وکمال مَس رہے، اور جن کا خون سیدہ آمنہ کا ہی خون ہے۔ کیونکہ اولاد دراصل ماں باپ کے جسم کا ٹکڑا ہی ہوتی ہے۔ تو اس اعتبار سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ کس قدر ارفع واعلیٰ ہوگا۔

بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی اور سیرت حلبیہ میں ابونعیم نے روایت بیان کی کہ عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو تابعی اور ثقہ ہیں اور جن سے صحاح ستہ میں احادیث روایت کی گئیں، اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوائی، تو مجھے اس میں سے نکلا ہوا خون عطا فرمادیا، اور فرمایا: اے عبداللہ! اسے کہیں غائب کردو۔ ایک روایت میں ہے، فرمایا: یہ خون لے جاؤ اور کہیں اسے چھپادو جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔ میں لے گیا اور جا کر اسے پی لیا۔ پھر جب سرکار کی بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہوا تو حضور علیہ السلام نے مجھ سے پوچھا: اسے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور! غائب کردیا۔ فرمایا: شاید تو نے اسے پی لیا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تجھے ایسے کرنے پر کس بات نے ابھارا؟ تو عرض کی: مجھے یہ علم تھا کہ آپ کے خون کو جہنم کی آگ چھو تک نہیں سکتی، اس بناء پر میں نے اسے پی لیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے خونِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوش کرلیا تو دنیا میں یہ فیض ملا کہ مرنے تک منہ سے خوشبو نہ گئی اور اخروی فائدہ یہ کہ جہنم کی آگ حرام ہوگئی۔ اس سے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی کیفیت کا اندازہ لگائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ہی ٹکڑا ہیں، جس ٹکڑے کے ٹکڑے میں یہ فیض وبرکت ہو اس کے کل اور اصل کے بارے میں دوزخی ہونے کا قول کرنے میں ایک مسلمان تو ضرور ہزار بار سوچے گا۔ اس جزوکل کا مشاہدہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد لوگوں نے دیکھا۔ وہ اس طرح کہ جب موجودہ سعودی حکومت نے سڑک کو کشادہ کرنے کیلئے زمین کی کھدائی کی تو اس جگہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قبر تھی۔ جب قبر سے مٹی ہٹائی گئی تو آپ کے

والدِ ماجد کی میت اور ان کا کفن بالکل ایسا تازہ تھا کہ ابھی کسی نے دفن کیا ہو یہ اس لیے کہ آپ سرکارِ دو عالم ﷺ کے والدِ ماجد ہیں۔ اس سے آپ کی والدہ ماجدہ کا حال بھی معلوم کر سکتے ہیں۔

؎ تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

ابن السبع اپنے کسی ساتھی کے حوالے سے روایت کرتے ہیں جسے الشفاء نے لکھا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں تھا۔ تو آپ ﷺ نے قضاء حاجت کا ارادہ فرمایا۔ میں غور سے دیکھتا رہا۔ آپ ایک جگہ تشریف لے گئے اور ضرورت پوری فرمائی۔ پھر میں اسی جگہ گیا جہاں سے آپ تشریف لائے تھے۔ تو مجھے وہاں بول و براز کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ میں نے وہاں تین پتھر دیکھے، انہیں اُٹھایا تو ان میں بہترین خوشبو پائی اور میں نے یہ سمجھا کہ یہ پتھر گویا عطر بن گئے ہیں۔ اس روایت کا بقیہ حصہ تلمسانی میں یوں مذکور ہے کہ جب جمعہ کا دن آتا اور لوگ مسجد میں مختلف خوشبوئیں لگا کر آتے تو میری آستین میں وہ پتھر ہوتے اور ان کی خوشبو تمام خوشبوؤں کو مات دیتی تھی۔

دیکھیں! کہ ایک ڈھیلا یا پتھر کہ جس کو سرکارِ دو عالم ﷺ استنجاء کیلئے استعمال فرمائیں اس میں ایسی خوشبو رچ بس جائے کہ دنیا کی کوئی خوشبو اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے تو اس والدہ کی نورانیت اور صفائی کا کیا عالم ہوگا جن کے بطنِ اقدس میں حضور ﷺ متواتر نو ماہ قیام پذیر رہے اور پھر ان کے جنتی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

حضرت ام ایمن بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ اٹھے اور گھر کے ایک کونہ میں پڑے برتن میں آپ نے بول کیا۔ میں رات کو اٹھی اور پیاسی تھی تو میں نے اس برتن میں جو کچھ تھا پی لیا۔ مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بول ہے۔ کیونکہ اس سے بھینی بھینی خوشبو آرہی تھی۔ پھر جب سرکارِ دو عالم ﷺ صبح حسبِ معمول اٹھے تو ام ایمن کو فرمایا: جاؤ اور جا کر بول کو گرا دو، جو فلاں برتن میں ہے۔ میں نے عرض کیا: خدا کی قسم! میں نے تو اس کو پی لیا ہے کہتی ہیں کہ اس پر رسول اللہ ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ کی داڑھیں نظر

آنے لگیں۔ پھر فرمایا: واللہ! تیرا پیٹ کبھی بھی کسی دکھ درد میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی موجود ہے۔ ملاحظہ فرمائیں "فتاویٰ حامدیہ")

حلوانی نے مواہب میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں کفر کا قول کرنا ایک عقل مند کی ذلت ہے۔ جو شخص منہ سے یہ بات نکالتا ہے۔ تو اس نے دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کا اہتمام کیا۔ کیونکہ عکرمہ بن ابی جہل نے ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم! لوگ میرے باپ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: دیکھو! مردوں کے سبب سے زندوں کو تکلیف نہ دیا کرو۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا اور یہ بات یقینی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرِ انور میں زندہ ہیں۔ آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اور جب عکرمہ رضی اللہ عنہ پر ان کے باپ کے معاملہ میں رعایت برتی گئی۔ کہ اسے برا بھلا کہنے سے انہیں اذیت ہوتی ہے۔ تو سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ حقدار اور اولیٰ ہیں۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ ابولہب کی بیٹی سبیعہ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ لوگ مجھے چلا چلا کر کہتے ہیں کہ حطل النار کی بیٹی ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سخت غصے میں تھے۔ فرمایا: اس قوم کا کیا حال ہے جو میرے نسب اور میرے رشتہ داروں کے ذریعے مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ خبردار! جس نے مجھے میرے خاندان اور رشتہ داروں کے ذریعہ مجھے اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی، اس نے اللہ عزوجل کو اذیت دی۔ تو کیا آپ کے والدین کریمین کو کافر یا جہنمی کہنے سے ایذائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پائی جائے گی؟ اور جب ایذائے رسول متحقق ہوئی تو بارشادِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایذائے باری تعالیٰ موجود اور پھر ان اذیتوں کا خمیازہ جو بھگتنا پڑے گا اس پر نظر کریں اور خدا سے ڈریں۔

آپ کی پیدائش کے وقت کے حالات وواقعات:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب طوفانِ نوح علیہ السلام کو ستر

سو نو سال گذر چکے تھے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار تین سو سال پہلے۔

ابنِ عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت بغوط دمشق میں جبل قاسیون کی ''برزہ'' نامی بستی میں ہوئی۔ جبکہ ابنِ عساکر کے نزدیک بھی زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ آپ کی ولادت شہر بابل میں ہوئی۔ اور بابل شہر کو جو آپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوط علیہ السلام کی مدد کیلئے بابل تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں نمازِ فجر ادا فرمائی۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب (آپ کے والد) تارخ کی عمر پانچ سو ستر سال ہوگئی تو ان کے ہاں ابراہیم، ناحور اور ہاران پیدا ہوئے اور ہاران کے ہاں لوط علیہ السلام نے جنم لیا۔ اہلِ کتاب کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام تارخ کے درمیانے صاحبزادے تھے اور ہاران کا وصال ان کے والد کی زندگی میں ہی اس سرزمین پر ہوگیا جہاں ان کی ولادت ہوئی تھی اور وہ کلدانیوں کی سرزمین یعنی سرزمینِ بابل تھی اہلِ سیر کے نزدیک یہی صحیح قول ہے۔ (واللہ اعلم)

ابراہیم علیہ السلام کے والدِ ماجد:

قرآن مجید میں ہر جگہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے حوالے سے ''آزر'' کا نام دیکھ کر بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی اور وہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ قرآن مجید کے اندر ہی صراحتاً آزر کا مشرک ہونا بیان ہوا جبکہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اقدس ابراہیم علیہ السلام کے والدین کے واسطے سے ہی ابراہیم علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا اور اگر ابراہیم علیہ السلام کے والدین کو مشرک تسلیم کیا جائے تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوگا:

لم ازل انقل من اصلاب الطاهر الی ارحام الطاهرات۔

''میں ہمیشہ (آدم تا عبداللہ اور حوا تا آمنہ) پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا''۔

کیونکہ مشرک تو بنص قرآنی پاک نہیں بلکہ انما المشرکون نجس۔ پلید اور نجس ہیں۔
اور اگر کوئی یہ کہے کہ پاک پشتوں اور پاک رحموں سے مراد بدکار نہ ہونا یعنی زنا سے پاک ہونا ہے تو اس کے بارے مفسرین کرام میں سے صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لا دلیل علیہ یعول علیہ والعبرۃ لعموم الالفاظ لالخصوص السبب۔

"اس پر کوئی دلیل نہیں ہے جو معتبر ہو کیونکہ اعتبار تو الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خاص ہونے کا"۔

اہل سنت کا موقف:

والذی عول علیہ الجم الغفیر من اہل السنۃ ان ازرلم یکن والد ابراہیم علیہ السلام و انہ لیس فی اباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کافر اصلا۔

اہل سنت کی اکثریت کا یہی موقف ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کے فرمان کے مطابق حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے کوئی بھی قطعاً کافر نہیں ہے۔
امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کے بارے میں جو کچھ کہا، اس سے ان کا رجوع بھی ثابت ہے جو ان کی تفسیر کبیر کے بعد کی تصنیف اسرار التنزیل کے حوالے سے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاوی میں نقل فرمایا ہے۔ **اکثر ھؤلاء علی ان آزر اسم لعم ابراھیم علیہ السلام۔**
یعنی اکثر اہل علم کا یہی موقف ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا (باپ نہ تھا بلکہ) چچا تھا۔
رہا یہ کہ پھر قرآن پاک میں آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ کیوں کہا گیا ہے تو اس کا

ایک جواب تفسیر مظہری میں اس طرح دیا گیا ہے کہ سماہ اللّٰہ ابا لکونہ عما و مربیالہ۔ کیونکہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی تربیت و پرورش کی تھی۔

لفظ ''اب'' کا اطلاق:

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے اندر چچا، تایا اور دادا کے اوپر بھی لفظ اب یعنی باپ کا اطلاق ہوا ہے۔

چنانچہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا:

ما تعبدون من بعدی؟

''میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟''

توانہوں نے جواب دیا:

نعبد الھک و الہ اباء ك ابراھیم و اسماعیل و اسحق۔

ہم آپ کے معبود کی اور آپ کے آباء (باپوں) کے معبود کی عبادت کریں گے یعنی ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق علیہم السلام (کے معبود کی)

آباء جمع اب کی ہے اور ظاہر بات ہے کہ ہر بندے کا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے پھر آباء (باپوں) کہنے کا کیا مطلب؟

تو معلوم ہوا کہ دادا (ابراہیم) کو بھی باپ کہا گیا حقیقی والد (اسحٰق علیہ السلام) کو بھی اب یعنی باپ کہا گیا اور تایا (اسمٰعیل علیہ السلام) کو بھی اب یعنی باپ فرمایا گیا۔

اسی آیت کو دلیل بنا کر محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں:

الخال والد و العم والد۔

''ماموں بھی باپ ہے اور چچا بھی باپ ہے''۔

اسی طرح حدیث پاک میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا:

ردوا علی ابی العباس۔
''میرے باپ عباس کو میرے سامنے لاؤ''۔
یہی وجہ ہے کہ آزر کیلئے دعا کرنے کا ابراہیم علیہ السلام نے وعدہ فرمایا۔ مگر اُس کے اسلام قبول کرنے کے وعدے پر اور جب اس کے اسلام قبول کرنے کی امید نہ رہی تو آپ نے اس کیلئے دعا کرنا بھی چھوڑ دیا جس کا ذکر سورۂ توبہ کی اس آیت میں ہے:

وما کان استغفار ابراهیم لابیه الاعن موعدة وعدها ایاه فلما تبین له انه عدولله تبرأ منه۔

''ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ (چچا آزر) کیلئے استغفار صرف ایک وعدہ کے سبب سے تھا جو اس سے آپ نے فرمایا تھا اور پھر جب واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے برأت کا اظہار فرما دیا''۔

اور اس وعدہ کا ذکر سورۂ مریم میں بھی ہے۔

ساستغفر لك ربی۔
''میں اپنے رب سے تمہارے لیے بخشش چاہوں گا''۔

آزر کیلئے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا پسِ منظر:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے سنا کہ ایک شخص اپنے مشرک والدین کیلئے مغفرت مانگ رہا ہے۔ تو میں نے اس کو کہا: تو مشرکوں کیلئے بخشش چاہتا ہے؟ تو اس نے کہا: کیا ابراہیم علیہ السلام نے مشرک آزر کیلئے مغفرت نہیں چاہی تھی؟ یہ واقعہ میں نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابراہیم علیہ السلام کا مغفرت چاہنا اس کے اسلام لانے کی امید پر تھا جس کا آزر نے آپ سے وعدہ کیا تھا اور آپ نے جواب میں اس کیلئے استغفار کا وعدہ کیا تھا اور جب اس کے ایمان لانے کی امید ختم ہو گئی تو آپ نے اس سے تعلق توڑ لیا اور اس کیلئے

دعائے مغفرت کرنی بھی چھوڑ دی۔

چنانچہ آزر مر گیا اس کے بعد آگ کا واقعہ ہوا پھر ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف ہجرت کی اور مصر میں داخل ہوئے اور جابر بادشاہ والا واقعہ پیش آیا۔ (جو آئندہ آپ پڑھیں گے) پھر حضرت ہاجرہ آپ کو ملیں ان سے نکاح ہوا اور اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، بحکم الٰہی ان کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑا تو وہاں اپنے حقیقی والدین کیلئے دعا کر رہے ہیں۔

ربنا اغفرلی ولوالدی۔

''اے اللہ! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے''۔

معلوم ہوا کہ جس کیلئے دعا کرنا چھوڑ دیا تھا وہ مشرک تھا یعنی آپ کا چچا آزر اور جن کیلئے آج بھی دعا کر رہے ہیں وہ آپ کے حقیقی والدین ہیں جو اہلِ ایمان میں سے ہیں۔

(ملخصاً تفسیر روح المعانی 195/4 زیر آیت و اذ قال ابراهیم لابیه آزر)

ابن منذر نے اپنی تفسیر میں سلیمان بن صرد کا یہ قول صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے کہ جب نمرودی آگ ابراہیم علیہ السلام پر گلزار ہوگئی تو آپ کا چچا آزر کہنے لگا:

من اجلی دفع عنه۔

''میری وجہ سے آگ نے ابراہیم پر اثر نہیں کیا''۔

تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک انگارے نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اس روایت میں صراحت کے ساتھ **فقال عمه** کے الفاظ موجود ہیں جو آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا ثابت کر رہے ہیں۔

امام ابن ابی حاتم (متوفی ۳۲۷ھ) نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزر کی زندگی میں اس کے ایمان لانے کی امید تھی اس لیے آپ اس کیلئے استغفار کرتے رہے اور جب وہ حالت شرک میں ہی مر گیا تو آپ نے اس کیلئے دعا کا سلسلہ بھی ترک کر دیا اور اس سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔

(تفسیر امام ابن ابی حاتم حدیث: 10060)

عہد نامہ قدیم، التکوین باب 11 آیت 30 میں لکھا ہے کہ آزر نے دوسو پانچ سال کی عمر پائی اور اس کی وفات شام کے مشہور و قدیم شہر ''حران'' میں ہوئی۔

جن بزرگوں نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی والد قرار دیا ہے یا اس سلسلہ میں وضاحت نہ کر سکے ان کی بزرگی اپنی جگہ ہمارے دل ان کی تعظیم و تکریم کے جذبات سے لبریز ہیں لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے آباؤ اجداد کی عزت و حرمت نہ صرف ہمارا ایمان ہے بلکہ ہمارے ایمان کی بھی جان ہے۔

خلیل و حبیب علیہما السلام:

لفظ خلیل کی تحقیق صاحب منار کے نزدیک یہ ہے کہ:

يطلق الخليل بمعنى الحبيب او المحب لمن يحبه اذا كانت هذه المحبة خالصة من كل شائبة بحيث لم تدع في قلب صاحبها موضعا لحب اخر وهو من الخلة اى المحبة والمؤدة التي تتخلل النفس وتمازجها كما قال الشاعر قد تخللت مسلك الروح منى وبه سمى الخليل خليلاً۔

''خلیل کا لفظ اس حبیب اور محب پر بولا جاتا ہے جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبت یوں بس جائے کہ غیر کی محبت کی گنجائش تک نہ رہے۔ خلت اس محبت کو کہتے ہیں جو نفس میں رچ بس جائے۔ جیسے شاعر کا قول ہے کہ میری روح میں تیرا عشق یوں رچ بس گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے تو خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے''۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں:

وان من مراتب المحبة مالم تبلغه امنية الخليل عليه السلام وهي المرتبة الثابتة له صلى الله عليه وسلم۔

''محبت میں جو مقام محبوب رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا

وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا طائر آرزو بھی وہاں پر نہیں مار سکتا"۔
اس کی ایک حسین جھلک ہمیں قرآن مجید سے یوں ملتی ہے۔ خلیل اللہ عرض کناں ہیں:

1- انی ذاهب الی ربی سیهدین۔ (الصافات:99)
"میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اور وہ عنقریب میری رہنمائی فرمائے گا"۔
جب کہ حبیب کے بارے میں فرمایا:

2- سبحان الذی اسرٰی بعبده لیلاً۔ (بنی اسرائیل:1)
"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندۂ خاص کو راتوں رات لے گئی"۔
(سبحان اللہ) خلیل اللہ خود جا رہے ہیں جبکہ حبیب اللہ کو لے جایا جا رہا ہے۔
خلیل اللہ علیہ السلام کے معراج کو بیان فرمایا:
وکذالک نری ابراهیم ملکوت السمٰوات والارض۔ (انعام:75)
"اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی دکھائی"۔
حبیب اللہ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:
فکان قاب قوسین او ادنٰی۔
(تو اس کے جلوے اور اس محبوب میں) دو کمان کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم
یعنی خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنی بادشاہی کا نظارہ کرایا اور پیارے حبیب اللہ علیہ السلام کو خود اپنا جلوہ دکھایا۔
خلیل اللہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

3- والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین۔ (الشعراء:82)
"اور وہ ذات جس سے میری امید وابستہ ہے کہ وہ قیامت کے دن میری

خطا معاف فرما دے گا''۔

حبیب اللہ کے بارے میں فرمایا:

انا فتحنا لك فتحاً مبيناً، ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك و ما تأخر۔(الفتح:1)

''بیشک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمائی تا کہ تمہارے سبب سے اللہ تعالیٰ گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے''۔

یعنی خلیل خطاؤں کی بخشش کی امید لگائے بیٹھے ہیں اور محبوب کو ان کے اگلوں و پچھلوں کی خطاؤں پر عفو قلم پھیرنے کا مژدہ جانفزا سنایا جا رہا ہے۔

خلیل اللہ نے دعا فرمائی:

4- **ولا تخزنی یوم یبعثون۔**(الشعراء:87)

''اور مجھے روزِ حشر شرمندہ نہ فرمانا''۔

اور حبیب اللہ کے بارے ارشاد فرمایا:

یوم لا یخزی اللہ النبی و الذین آمنوا معه۔(التحریم:8)

''جس دن اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو نہ شرمندہ کرے گا اور نہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو''۔

خلیل اللہ تو اپنے لیے قیامت کی شرمندگی سے بچنے کی دعائیں مانگ رہے ہیں، دوسری طرف محبوب کے ماننے والوں کیلئے بھی شرمندگی سے بچے رہنے کی خبر دی جارہی ہے۔

امتحان کے موقع پر خلیل اللہ علیہ السلام نے کہا:

5- **حسبی اللہ۔**

''مجھے اللہ کافی ہے''۔

حبیب اللہ علیہ السلام کیلئے خود خدا نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا النبی حسبك اللّٰہ و من اتبعك من المؤمنین۔(انفال:64)

''اے نبی! آپ کیلئے اللہ اور وہ ایمان لانے والے کافی ہیں جنہوں نے آپ کی اتباع کی''۔

خلیل اللہ علیہ السلام مجھے اللہ کافی ہے کی صدا لگا رہے ہیں جب کہ حبیب اللہ علیہ السلام کیلئے اللہ و مؤمنین کی کفایت کی بشارت دی جارہی ہے۔

خلیل اللہ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی:

6- **واجعل لی لسان صدق فی الآخرین۔**(الشعراء:84)

''اور بعد میں آنے والوں میں میرا ذکرِ جمیل جاری کردے''۔

اور حبیب اللہ کے بارے میں فرمایا:

ورفعنا لك ذکرك۔

''اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا ذکر بلند کردیا''۔

خلیل اللہ علیہ السلام بلندی کی دعا کررہے ہیں اور حبیب اللہ علیہ السلام کا ذکر بغیر دعا مانگے خود ہی بلند کیا جارہا ہے۔

خلیل اللہ نے دعا مانگی:

7- **واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام۔**(ابراہیم:35)

''اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا''۔

اور حبیب اللہ کے بارے فرمایا:

انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔(الاحزاب:33)

یعنی حبیب کے گھر والوں کو ہر قسم کی ناپاکی سے بچالیا۔ (مزید تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری کتاب 'شانِ مصطفیٰ بزبانِ مصطفیٰ بلفظِ انا'')

ابراہیم علیہ السلام کا حلیہ مبارک:

آپ کے چہرۂ مبارک کی تفصیل ہمیں واقعۂ معراج سے معلوم ہوتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرائیل ساتویں آسمان پر لے گئے میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ جبرائیل نے تعارف کرواتے ہوئے کہا:

هذا ابوك ابراهيم فسلم عليه فسلمت عليه۔

''یہ آپ کے والدِ گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ انہیں سلام عرض کیجیے''۔

تو میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میں نے سلام عرض کیا تو انہوں نے جواباً ارشاد فرمایا:

قال مرحبا یابن الصالح والنبی الصالح۔

''خوش آمدید اے نیک بیٹے اور نیک نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)''۔

جب آپ نے اتنا ارشاد فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چہرہ کے بارے میں جاننے کا شوق پیدا ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ان کے رخِ زیبا کا اندازہ لگانا ہو وہ مجھے دیکھ لے۔ اور ہمارے آقا علیہ السلام کے چہرہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

واذا نظرت الی اسرة وجهه برقت کبرق العارض المتهلل

''جب تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ تاباں پہ نظر ڈالو تو اس کی شان رخشندگی کا عالم یہ ہوتا ہے جیسے ابرِ باراں میں بجلی کوند رہی ہو''۔

اور ترمذی کی حدیثِ مبارکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات چاند کی روشنی میں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرخ جوڑے میں ملبوس پایا، کبھی چاند کی چاندنی اور کبھی آقائے گرامی کو بار بار دیکھتا ہوں اور بالآخر میں نے یہ فیصلہ کیا:

فاذا هو احسن عندی من القمر۔

''کہ وہ مہرِ تاباں اس دنیاوی چاند سے زیادہ حسین وجمیل ہے''۔
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔

خلقت مبرأ من کل عیب　　　　کانك قد خلقت کما تشاء

''اے اللہ کے پیارے حبیب! آپ کو اللہ نے ظاہری و باطنی نقائص سے پاک و مبرا پیدا فرمایا ہے گویا کہ آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق پیدا فرمایا''۔
دیکھنے والے یوں بھی کہتے تھے:

لم ار قبله و لا بعدہٗ مثله۔

''نہ تو آپ سے پہلے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا حسین دیکھا نہ آپ جیسا آپ کے بعد دیکھا''۔

حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے
نبیوں میں نبی ایسے امام الانبیاء ٹھہرے

ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا سے متعلقہ نکات:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مشہورِ زمانہ دُعا (رب اجعلنی مقیم الصلٰوۃ......) میں اس بات کا اہتمام ہے کہ پہلے انہوں نے اپنے لیے دعا کی (ربنا اغفرلی) پھر اپنے والدین کیلئے (ولوالدی) اور اس کے بعد تمام اہلِ ایمان کیلئے (وللمؤمنین)۔
اس میں گویا ہمارے لیے دعا کرنے کا طریقہ اور دعا کے آداب کو بیان کر دیا گیا ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا کرو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگ کر پھر خواص کیلئے بخشش طلب کرو اور اس کے بعد تمام اہلِ ایمان کو اپنی دعا میں شامل کیا کرو۔ اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کوئی کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو جائے اس حالت میں بھی دعا سے مستغنی نہیں ہو سکتا بلکہ ہر وقت اپنے رب کی مغفرت کا محتاج ہی رہتا ہے اور اپنے لیے پہلے دعا کرنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ میں دوسروں سے زیادہ اللہ کی بخشش کا محتاج ہوں۔
رہا یہ سوال کہ انبیاء کرام علیہم السلام تو معصوم ہوتے ہیں پھر ابراہیم علیہ السلام کا مغفرت کی دعا

کرنا چہ معنی دارد؟

تو اس کے کئی طرح سے جواب دیے گئے ہیں۔ مثلاً:

1- انبیاء کرام جب اپنے لیے بخشش کی دعا کرتے ہیں تو اس سے بلندیٔ درجات مراد ہوتی ہے۔

2- اپنی عاجزی اور تواضع کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اور دنیا کو بتانا ہوتا ہے کہ جب ہم بھی اپنے رب سے استغفار کر رہے ہیں تو غیر انبیاء کو ہم سے زیادہ استغفار کرنی چاہیے۔

3- چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور شکر جتنا بھی ادا کیا جائے بہر حال متناہی ہے لہٰذا اس سے استغفار ہے کہ ہم کماحقہٗ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

4- بظاہر مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ کام کرنے پر جو استغفار اگرچہ امت کی تعلیم اور بیان جواز کیلئے ہو فرائضِ نبوت میں سے ہوتا ہے مگر اپنے حال کے مطابق پھر بھی استغفار کرتے ہیں۔

5- حسنات الابرار سیئات المقربین۔ ''نیکوں کی نیکیاں مقبولانِ بارگاہ کیلئے ان کی عظمت وشان کے مطابق خطا کے حکم میں ہوتی ہیں۔

6- جب اللہ تعالیٰ ان کو ترقی درجات عطا کرتا رہتا ہے تو پہلا رتبہ دوسرے کے مقابلہ میں کم نظر آتا ہے تو اس حال سے استغفار کرتے ہیں۔

7- اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام خطائے اجتہادی پہ قائم نہیں رہتے اور اس پر بھی ان کو ثواب سے نوازا جاتا ہے تاہم پھر بھی اس اجتہادی خطا پہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرتے رہتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی ایک بے مثال دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حضور یہ بھی دعا کی کہ الٰہ العالمین ہماری اولاد

میں ایک رسول بھیج جو ان کی جنس اور ان کی زبان رکھتا ہو یعنی فصاحت و بلاغت اور خیر خواہی میں بے مثال تاکہ ان پر دنیوی اور اخروی نعمتیں اور سعادتیں مکمل ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے خاتم الانبیاء والمرسلین حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کامل دین عطا فرمایا جو آپ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیا گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت روئے زمین پر بسنے والے مختلف الاجناس اور جداگانہ زبان و کلام والے لوگوں کیلئے قیامت تک عام فرما دی چاہے ان کا تعلق کسی شہر، کسی ملک اور کسی زمانے سے ہو۔

جملہ انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کو بھی کمالِ شرف عطا ہوا اور جو کتاب ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی گئی وہ بھی باکمال ولاجواب، جہاں تشریف لائے وہ جگہ بھی قابل تعظیم، زبان فصیح و بلیغ، امت پہ کمال شفقت اور رحمت و مہربانی میں بے مثال، نسب کریم و شریف، جائے پیدائش عظیم اور والدین بھی طیبین وطاہرین۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام روئے زمین پہ کعبۃ اللہ کے بانی ہیں اسی لیے آپ آسمان کی منازل میں بھی منصب جلیلہ اور مقام و مرتبہ بلند رکھتے ہیں اور بیت المعمور کے پاس بھی آپ کے عظیم الشان درجات کی دھوم ہے۔ بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کا قبلہ ہے بڑی برکتوں والا اور مقبول و محبوب ہے۔ ہر روز اس میں ستر ہزار ملائکہ عبادتِ الٰہی کی غرض سے اس میں داخل ہوتے ہیں اور جو فرشتے ایک مرتبہ بیت المعمور میں داخل ہو کر عبادتِ الٰہی کی سعادت سے بہرہ ور ہو گئے قیامت تک دوبارہ انہیں موقع میسر نہ آئے گا۔

قارئین کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مناظروں کا ذکر کرنے سے پہلے آپ کے اس کائنات میں تشریف لانے کا پسِ منظر بیان کیا جاتا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

نمرود کا خواب:

ظلم کی حد ہو گئی جب دہر میں
مبتلا ہوتا ہے عالم قہر میں

اندھیرا ہی اندھیرا کفر نے ہر سمت پھیلایا
تو ابراہیم کو رب نے مبعوث فرمایا

نمرود ایک رات بزعم خویش اپنے خدائی قلعے کے محل سرا میں سو رہا تھا کہ اس کو ایک عجیب وغریب خواب نظر آیا۔ وہ یہ کہ اس کے دارالحکومت شہر بابل کی ایک جانب افق سے بہت بڑا روشن ستارا نکلتا ہے جس کی روشنی سے چاند اور سورج بھی ماند ہو جاتے ہیں اور پھر وہ ستارہ رفتہ رفتہ تمام آسمان پر چمکتا ہوا چھا جاتا ہے۔ تو نمرود نے اسی وقت اپنے تمام وزیروں کو جمع کیا اور کہا کہ جلدی سے نجومیوں اور کاہنوں کو بلاؤ تاکہ میں ایک ہولناک خواب ان کے سامنے بیان کروں جس سے میرا جسم تھرتھر کانپ رہا ہے۔ چنانچہ وہ سب محل میں آگئے جن کو مخاطب کر کے نمرود نے کہا کہ میں نے ابھی ابھی ایک خواب دیکھا ہے کہ جس سے میں خوفزدہ ہو رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میرے شہر بابل کی ایک سمت سے روشن ستارا نکلا اور سارے آسمان کو اس نے منور کر دیا یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے ذرا سکوت کیا اور تھوڑا غور وفکر کرنے کے بعد کہنے لگے کہ اے نمرود! شہرِ بابل کی اس سمت سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھے اور تیرے سارے ملک کو نیست ونابود کر دے گا، گویا تیرے سارے ملک پر اس کا نور چھا جائے گا۔ یعنی بجائے تیرے دین کے اس کا دین رائج ہوگا اور اس کا پیدا کرنے والا اس کی مدد پر ہوگا۔ تاہم وہ لڑکا ابھی اپنی ماں کے رحم میں نہیں آیا، بلکہ وہ ابھی اپنے باپ کی صلب میں ہے۔ لیکن وہ اسی سال میں پیدا ہوگا۔

اتنا سنتے ہی نمرود گھبرا گیا اور نہایت سراسیمہ ہو کر کہنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ یہ سن کر وہ لوگ اپنے جھوٹے خدا کو تسلی دیتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ یہ تدبیر کرو اور کوئی کہتا کہ وہ تدبیر کرو۔ آخر کار نمرود خود ہی ایک جابرانہ حکم سناتا ہے۔ وہ یہ کہ آج سے کوئی مرد اپنی عورت کے پاس نہ جائے اور مرد وعورت الگ الگ سکونت اختیار کریں۔ نیز جو عورت آج سے پہلے کا حمل رکھتی ہو تو ان کے ہاں لڑکیاں ہوں تو ان کو چھوڑ دیا جائے اور اگر لڑکے ہوں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم نمرودی پر اس دن سے ہزاروں نوزائیدہ لڑکے قتل ہونے شروع ہو گئے۔

قتل جب معصوموں کا ہونے لگا
ساتھ ماؤں کے فلک رونے لگا
بھول جائے گا یہ سب جور و جفا
جونہی پکڑے گا اسے رب العلا

حمل کی خبر:

نمرود جب کہ لاکھوں بچوں کے قتال میں مصروف تھا اور اپنی دانست میں وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہو گیا ہوں اور اب وہ بچہ ظہور میں آ ہی نہیں سکتا جو میرے ملک کی تباہی کر سکے۔ اتنے میں بہت سے نجومی اور کاہن اس کے پاس آئے اور نہایت حواس باختہ ہو کر اسے کہنے لگے کہ اے نمرود! خبردار ہو جا کہ فلاں تاریخ اور فلاں شب وہ مبارک بچہ اپنے باپ کی صلب سے اپنی ماں کے شکم میں آئے گا۔ اتنا سنتے ہی نمرود کی چولیں ہل گئیں اور اسی وقت اپنے وزرا کو جمع کر کے حکم دیا کہ فلاں رات نہایت سختی سے پہرہ کا انتظام کیا جائے اور تمام مردوں کو شہر سے نکال کر جنگل میں نظر بند کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس رات کیلئے دن سے ہی تمام مرد شہر سے باہر کر دیے گئے اور عظیم الشان فوجی پہروں میں ان کا محاصرہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ خود نمرود بھی اپنے وزیر بے تدبیر کو لے کر بیرونِ شہر جنگل میں چلا گیا اور عورتوں کو تاکیدی حکم دیا کہ خبردار! کوئی عورت اپنے گھر سے باہر نہ نکلے ورنہ جان سے ماری جائے گی۔ غرض کہ اس ڈر کے مارے عورتیں اپنے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھیں اور مرد نظر بند ہو کر جنگلوں میں جا پڑے اور اب اپنی دانست میں نمرود نے گویا قضاوقدر کا دروازہ بند کر دیا کہ نہ عورت، مرد کے نزدیک ہوگی اور نہ کوئی بچہ اپنی ماں کے بطن میں آئے گا۔ لیکن نمرود کے سر پر اللہ نے اپنا حکم قضاوقدر جاری کیا جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لیقضی اللہ امراً کان مفعولا۔ (انفال:43)

کیونکہ اللہ رب العزت قادر مطلق ہے...... یفعل مایشاء ہے، حی و قیوم ہے......

رب العالمین ہے...... احسن الخالقین ہے...... رحمٰن و رحیم ہے...... مالک یوم الدین ہے...... عزیز و جبار ہے...... حسیب و رقیب ہے...... لطیف و خبیر ہے...... لاتدرکہ الابصار وھو یدرك الابصار ہے...... نعم المولیٰ و نعم النصیر ہے...... مجیب الدعوات ہے...... غفور و رحیم اور رؤف بالعباد ہے...... وحدہ لاشریک ہے...... حاکم مطلق ہے...... مالک کن فیکون ہے...... علی کل شیئٍ قدیر ہے۔ پھر بھلا

؎ وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

اللہ وہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو حکم دیتا ہے ''ہو جا'' وہ ہو جاتی ہے۔ تخلیق کائنات کا ایک ایک ذرہ گواہ ہے کہ وہ قادرِ مطلق ذات ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش کا ارادہ فرمایا تو وہ بن گئے۔ پھر خلیفہ رب قدوس کی باری آئی تو ایک عظیم مخلوق تخلیق کی اور لقد خلقنا الانسان فی احسنِ تقویم کا تاج پہنا کر مسجودِ ملائک بنایا۔ اور ارشاد فرمایا: ''خلق الانسان من صلصال کالفخار'' اللہ نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی مٹی سے بنایا۔ اماں حوا کی تخلیق فرمانا چاہی تو علیحدہ ہی انداز اپنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر فرعون نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر قدرت کی کرشمہ سازی کا نظارہ تو کرو کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اسی فرعون کے گھر آپ کی ماں سے ہی دودھ پلوایا۔ یہی وہ دودھ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص فرمایا ہے۔ الغرض! یہی موسیٰ علیہ السلام اس کی بادشاہت کو ختم کرتے ہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل دیکھتے رہے اور فرعون غرق ہو گیا۔ اس طرح کے اور کئی واقعات ہیں جو قرآنِ پاک اور احادیث و تاریخ کی کتب میں موجود ہیں اور حجتِ بالغہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ انسان اپنی تخلیق کا ہر مرحلہ ہی دیکھ لے کیونکہ تخلیقِ انسانیت کا ہر مرحلہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر ہے۔ اسی طرح نمرود نے بھی لاکھ جتن کیے مگر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش فرمائی اور آپ نے نمرود کے ایوان میں کلمہ حق بلند فرما دیا۔ اور آپ کی زندگی کا ہر واقعہ ہی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مظہر ہے۔

ادھر قدرتِ خداوندی نے اپنا کام کیا، ادھر جنگلوں میں نجومی جو اپنی اپنی کتابیں لیے بیٹھے تھے۔ انہوں نے یک لخت چیخنا شروع کر دیا اور کہا کہ اے بادشاہ! کیا خاک تو نے انتظام کیا اور رحمِ مادر میں آنے سے اس نوری فرزند کو تو نے کیا روکا ہے، دیکھ ابھی اسی ساعت وہ بچہ اپنی ماں کے حمل میں آگیا اور افسوس تو کچھ بھی نہ کر سکا۔

لٹ گیا افسوس تیرا قافلہ　　رحمِ مادر میں وہ بچہ آگیا
کچھ نہ تجھ سے ہو سکا اے بدنصیب!　　آگئے تیرے برے دن اب قریب
تیرا بیڑا غرق ہوگا اے خبیث
اور بچا اپنا آپا اے خبیث

یہ سن کر نمرود اپنا سر پیٹنے لگا اور سخت غصّے میں آکر حکم دیا کہ آج سے بچوں کے قتل میں اور زیادہ کوشش کی جائے اور نام لینے کو بھی کوئی لڑکا باقی نہ چھوڑا جائے۔ اس پر نجومیوں نے کہا کہ اے نمرود! تو لاکھ کوشش کر وہ فرزند ضرور پیدا ہو کر رہے گا اور تیرا ملک غارت کر کے رہے گا۔ اس کا بول بالا ہوگا اور تیرا منہ کالا ہوگا۔

دہر میں آتا ہے اب اس کا خلیل:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کو یہ مبارک حمل محسوس ہونے لگا تو انہوں نے اسے یہاں تک پوشیدہ رکھا کہ اپنے خاوند تارخ تک سے اس کا ذکر نہیں کیا اور پوشیدہ پوشیدہ یہ مبارک ایام گذارنے لگیں۔ یہاں تک کہ پورے نو ماہ کے بعد وقت آپہنچا تو پھر والدہ محترمہ کو جب دردِ زہ لاحق ہوا تو وہ نہایت سراسیمہ ہوئیں۔ اور آخر انہیں یہ تدبیر بن آئی کہ اپنے مکان سے نکل کر سیدھی پہاڑوں میں پہنچیں اور وہاں ایک نہایت پوشیدہ غار تلاش کر کے اس میں داخل ہو گئیں۔ جہاں پہنچتے ہی آپ کے شکم مبارک سے ایک نور برآمد ہوا اور اس کے ساتھ ہی جناب جد الانبیاء حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔

دوسری روایت میں اس طرح مرقوم ہے کہ آپ کی والدہ کو جب دردِ زہ ہوئی تو آپ شہر سے باہر گئیں اور دو پہاڑوں کے درمیان ایک غار تھا وہاں پہنچیں۔ جس کی

تاریکی مانندِ شب دیجور تھی۔ لیکن آپ کے وہاں پہنچتے ہی وہ اندھیرا غار کا مانندِ روز روشن کے درخشاں ہوگیا۔ جب حضرتِ خلیل اللہ پیدا ہوئے۔ تو ان کی والدہ نے ایک کپڑے میں لپیٹ کر وہاں لٹا دیا اور خود مارے خوف کے وہاں سے چلیں اور غار کے منہ کو پتھروں سے بند کر دیا اور ساتھ ہی اس اپنے نورِ چشم کی مفارقت کی سل اپنی چھاتی پر رکھ کر گھر کو روانہ ہوئیں اور اپنے شوہر تارخ سے آ کر ذکر کیا کہ میں نے نمرود اور اس کی فوج و سپاہ کے ڈر سے ایسا ایسا کیا ہے یعنی یہ کہ میں جنگل میں گئی اور وہاں میرے شکم سے ایک مردہ لڑکا پیدا ہوا اور ہم بہت سے افکار و مصائب سے بچ گئے ہیں۔ آپ کی والدہ کو جب موقع ملتا تو آپ فوراً اس غار پر پہنچتیں اور پتھروں کو غار کے منہ پر سے ہٹاتیں اور فرزندِ ارجمند کو وہاں ہنستا اور کھیلتا ہوا پاتیں۔ جن کی پرورش کی منجانب اللہ یہ کیفیت تھی کہ ایک انگلی سے دودھ اور دوسری سے شہد جاری تھا۔

رزق دینے والی تو اللہ کی ذات ہے:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس عجیب انداز سے پرورش دنیا کیلئے تو بڑا عجیب واقعہ ہے لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ جہاں، جسے، جس وقت اور جتنی روزی چاہے دے سکتا ہے۔ وہ خالق و رازق و مالک ہے، خیر الرازقین ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وما من دابة فى الارض الا على اللّٰه رزقها ويعلم مستقرها ومستودعها كل فى كتاب مبين۔ (ہود:6)

''اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور جانتا ہے کہ کون کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہوگا سب کچھ ایک صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے''۔

وكاين من دآبة لا تحمل رزقها اللّٰه يرزقها واياكم وهو السمع العليم۔ (العنکبوت:60)

''اور زمین پر کتنے ہی چلنے والے ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے، اللہ

روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں اور وہی سنتا جانتا ہے“۔

قل ان ربی یبسط الرزق لمن یشآء من عباده ویقدرله، وما انفقتم من شیٍٔ فهو یخلفه، وهو خیر الرازقین۔ (سبا:22)

”تم فرماؤ! بیشک میرا رب رزق وسیع فرماتا ہے اپنے بندوں میں جس کیلئے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کیلئے چاہے اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ بدلے میں اور دے گا۔ اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے“۔

اس کے علاوہ احادیثِ مبارکہ اور کائنات میں رو پذیر ہونے والے واقعات اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی پرورش اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس طرح فرمائی کہ ایک روز میں آپ ایک مہینہ کے برابر نشو ونما پاتے تھے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے پورے نو مہینے تک (بعض روایتوں میں اس سے کم وبیش ہے) آپ کو غار میں ہی خوف کی وجہ سے رکھا۔ جس میں ہفتہ بھر میں ایک مرتبہ والدہ محترمہ غار میں جاتیں اور ان کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر آتیں۔ پھر ایسا ہونے لگا کہ جب وہ غار سے نکلتیں تو خود بخود ایک بہت بڑا عالی شان پتھر ہوا میں اڑ کر آتا اور غار کا منہ بند کر دیتا۔ اور جب والدہ محترمہ تشریف لاتیں تو وہ پتھر ان کی صورت دیکھ کر خود بخود وہاں سے سرک جاتا اور غار کا منہ کھول دیتا۔ جب آپ کی والدہ نے دیکھا کہ اب فرزند خوب اچھی طرح چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو آپ کے باپ سے کہا کہ آج میں تم سے ایک راز کی بات کہتی ہوں، وہ یہ کہ میرے شکم سے زندہ سلامت ایک فرزند پیدا ہوا تھا۔ جس کو میں نے آج تک غار میں ہی پرورش کیا۔ تم اس کو دیکھو گے تو یہ کہو گے کہ یہ فرزند ہے یا چودھویں رات کا چاند ہے۔ یہ سن کر باپ کو آپ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور اسی وقت والدہ خلیل کو لے کر درِ غار پر

پہنچے، جہاں سے اول تو وہ غار کے منہ سے سینکڑوں من کا بھاری پتھر خود بخود ہٹتا ہوا دیکھ کر حیران رہ گئے اور جب اندر جا کر نورِ دیدہ کی زیارت کی تو مارے خوشی کے ان کا عجیب حال ہوا اور اسی جوش میں والدہ ابراہیم سے کہا کہ نمرود اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا، تم اس نونہال فرزند کو ابھی اپنے گھر لے چلو اور اب اسے ایک پل یہاں تنہا نہ چھوڑو۔ آہ! ایسے حسن و جمال والے فرزند کو تم نے یہاں اکیلا چھوڑ رکھا ہے۔ افسوس صد افسوس ہم پر کہ ہم نے اس چودھویں رات کے چاند کو اس اندھیرے غار میں تنہا چھوڑا ہے۔ اسے گھر لے چلو اور ابھی لے چلو۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت:

دوسری روایت میں کچھ یوں مرقوم ہے کہ ایک روز آپ کی والدہ نے شام کے وقت غار سے باہر نکال کر ذرا باہر کی ہوا دکھلانی چاہی تو غار کے چاروں طرف گائیں بھیڑیں اور بکریاں پھرتی ہوئی آپ کو نظر آئیں تو آپ نے تعجب سے والدہ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو والدہ نے بتایا کہ یہ فلاں فلاں جانور ہیں۔ پھر آپ نے دریافت کیا کہ اچھا ان کا پروردگار کون ہے؟ تو ماں نے جواب دیا کہ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا پیدا کرنے والا نہ ہو اور کوئی مخلوق اپنے خالق سے خالی نہیں ہے اور وہ پیدا کرنے والا اس کو پیدا کرتا ہے اور پھر اس کی پرورش بھی کرتا ہے۔ یہ سن کر پیارے خلیل اللہ نے دریافت کیا کہ اچھا اے ماں! میرا پروردگار کون ہے؟ تو والدہ نے کہا تیری پروردگار میں ہوں۔ پھر فرمایا کہ تمہارا پروردگار کون ہے؟ تو ماں نے کہا کہ تیرا باپ میرا پروردگار ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان کا پروردگار کون ہے؟ تو کہا کہ نمرود بادشاہ ہے۔ پھر فرمایا کہ نمرود بادشاہ کا پروردگار کون ہے؟ یہ سن کر والدہ بہت خفا ہوئیں اور کہا کہ ایسی بات منہ سے نہیں نکالا کرتے اس میں جان جانے کا خطرہ ہے۔ غرض کہ ان چند سوال و جواب کے بعد والدہ خلیل پیارے خلیل کو غار میں چھوڑ کر گھر چلی گئیں اور گھر جا کر کہا کہ وہ نجومیوں نے جو خبر دی تھی کہ ایک فرزند پیدا ہوگا اور وہ نمرود اور اس

کے ملک کو غارت کرے گا۔ وہ فرزند میرے شکم سے پیدا ہوا ہے اور عجیب وغریب طور سے وہ غار میں پرورش پا کر بالکل تیار ہو گیا ہے اور وہ کچھ ایسی باتیں کرتا ہے جس سے میرے خیال میں وہ وہی فرزندِ ارجمند ہے جو نمرود اور اس کے ملک کو غارت کرے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے

قوم سے مناظرہ:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں پیدا ہوئے بابل اور مصر پر قدیم سامی قومیں حکمران تھیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا نقشہ جو قرآن نے بیان کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب نبوت پر پہنچنے کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ابتدائی دعوت کی کیفیت کیا تھی؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام جس گردوپیش میں پروان چڑھے ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرف چاند، سورج، زہرہ اور مشتری کی پرستش ہو رہی تھی اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز یہیں سے کیا:

آپ نے ستارہ دیکھا اور اپنی قوم سے مناظرانہ رنگ میں کہا کہ تمہارے خیال کے مطابق "ھذا ربی" "یہ میرا رب ہے"۔ یہ بات سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے میدانِ مناظرہ میں فرمائی۔ مخالف پر حجت الزامی قائم کرنا تبلیغ و مناظرہ علمی کے معمولات میں سے ہے بلکہ عام گفتگو میں دستور ہے کہ دوسرے کے خیال کو اپنی زبان میں بجنسہ دہرا دیتے ہیں اور لب ولہجہ سے ہمیشہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مخاطب کا خیال نقل ہو رہا

ہے ہر زبان میں یہ انداز بیان موجود ہے۔ خود قرآن مجید میں ایک جگہ قیامت کے موضوع پر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''این شر کائی'' میرے شریک کہاں ہیں؟'' یعنی وہ کہاں ہیں جو تمہارے خیال میں میرے شریک تھے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے شریکوں کا وجود تسلیم کر رہا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے سامنے سیاروں کے نظام طلوع وغروب سے توحید کی ناقابلِ انکار حجت پیش کی۔ آپ نے فرمایا: یہ تارے یہ چاند یہ سورج تمہارے معبود ہیں چلو مان لیتے ہیں کہ یہ تارا میرا معبود ہے مگر دیکھو یہ غائب ہو گیا اور یہ چمکتا ہوا چاند دیکھو یہ تو ڈوب گیا اور یہ تابناک سورج یہ تو واقعی سب سے بڑا ہے مگر یہ بھی غروب ہو گیا تم ہی سوچو کہ طلوع وغروب کے نظام میں جکڑے ہوئے بے اختیار سیارے کہیں معبود ہو سکتے ہیں؟ جب طلوع کے ساتھ غروب اور آنے کے ساتھ جانا بھی ہے اور اس پابندی اور محکومی کے ساتھ مجال نہیں ہے کہ کبھی ایک لحہ کیلئے بھی وقت یا سمت میں سر مو تغیر آ جائے تو یہ گویا خود زبان حال سے بتا رہے ہیں کہ ہم آئے نہیں لائے گئے ہیں اور جاتے نہیں بلکہ لے جائے جاتے ہیں ایک منٹ کی تاخیر و تقدیم پر قادر نہیں پھر ان کو خدائی کے حقوق میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابلِ نفرت فعل ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں تو ان سب سے منہ پھیر کر پوری یکسوئی کے ساتھ اس ذات کی طرف رخ کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور جس کے اشارے پر یہ کائنات گردش کر رہی ہے۔ میں تمہارے ان جھوٹے بے اختیار معبودوں سے بالکل بے تعلق ہوں۔ (معالم القرآن)

یہ تمام واقعہ سورۃ الانعام میں موجود ہے ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

''ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ یاد کرو جب کہ انہوں نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں''۔

''ابراہیم کو ہم اسی طرح زمین اور آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے''۔

''چنانچہ جب رات اس پر طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا اور کہا کہ یہ میرا رب ہے؟ مگر جب وہ ڈوب گیا تو (ابراہیم) بولے! ڈوب جانے والوں کا تو میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب؟ مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری راہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے؟ یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیم (علیہ السلام) پکار اٹھے: اے برادرانِ قوم! میں ان سب سے بیزار ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں''۔

''اس کی قوم اس سے جھگڑنے لگی تو اس نے قوم سے کہا تم لوگ اللہ کے معاملہ میں مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے راہِ راست دکھا دی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا۔ ہاں اگر میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہو سکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟''

''اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جب کہ تم اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کیلئے اس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی واطمینان کا مستحق ہے بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو۔ حقیقت میں تو امن انہی کیلئے ہے اور راہِ راست پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ آلودہ نہیں کیا''۔ (سورۃ الانعام)

کچھ علماء کا خیال ہے کہ ان آیات میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی تفکر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جو منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے ان کیلئے حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنا۔ ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ اور سلیم النظر انسان جس نے سراسر شرک کے ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں آثارِ کائنات کا مشاہدہ کر کے اور ان پر صحیح طریقہ سے غور وفکر کر کے امرِ حق معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

قرآن پاک کے ایک اور مقام پر ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم سے گفتگو واللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ اِبْرَاهِيْمَ...... بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (الشعراء:69 تا 83)

''اور ان پر پڑھو خبر ابراہیم کی جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو؟ بولے! ہم بتوں کو پوجتے ہیں پھر ان کے سامنے آسن مارے جھکے ہوئے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب تم پکارو یا تمہارا کچھ بھلا برا کرتے ہیں بولے بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے فرمایا تو کیا تم دیکھتے ہو جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا، بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگارِ عالم وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا اور وہ جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہ مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ اے میرے رب! مجھے حکم عطا کر اور مجھے ان سے ملا دے جو تیرے قربِ خاص کے سزاوار ہیں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا آزر سے مناظرہ:

جب قوم کا شرک بھی آپ پر عیاں ہو گیا تو آپ نے بتوں کی مخالفت کرنی

شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ آپ کا چچا آزر چونکہ بت گر تھا۔ آپ نے اسے بھی توحیدِ باری تعالیٰ کا درس دیا مگر وہ نہ مانا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر سے دعوتِ توحید کے کام کا آغاز کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا:

وانذر عشیرتك الاقربین۔ (سورۃ الشعراء)

''اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ''۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر اور اپنے خاندان سے دعوت کا آغاز کیا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی دعوت کا آغاز گھر سے کیا اور سب سے پہلے اپنے چچا آزر کو دعوتِ توحید دی۔ سورۃ مریم میں اس کی تفصیل موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں:

واذکر فی الکتب ابرٰھیم انه کان صدیقا نبیاo اذ قال لابیه یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنك شیئاo یابت انی قد جآء نی من العلم مالم یاتك فاتبعنی اھدك صراطا سویاo یٰابت لا تعبد الشیطٰن ان الشیطٰن کان للرحمٰن عصیاo یٰابت انی اخاف ان یمسك عذاب من الرحمٰن فتکون للشیطٰن ولیاo قال اراغب انت عن الھتی یٰابرٰھیم لئن لم تنته لارجمنك واھجرنی ملیاo قال سلٰم علیك ساستغفرلك ربی انه کان بی حفیاo واعتزلکم وما تدعون من دون اللّٰہِ وادعوا ربی عسٰی الا اکون بدعآء ربی شقیاo (مریم:41تا48)

''اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔ انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ جب کہ اس نے اپنے باپ (آزر) سے کہا کہ اے ابا! آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت

کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں۔
ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔ ابا جان! مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ رحمٰن کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ (آزر) نے کہا: ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا بس تو ہمیشہ کیلئے مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑتا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کو چھوڑ کر (عبادت کیلئے) پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پوجوں گا امید ہے کہ میں اپنے رب کو پوج کر نامراد نہ رہوں گا"۔

دستور یہ ہے کہ مشرک جب دلائل سے عاجز ہوتا ہے تو لڑائی پر اُتر آتا ہے آزر نے بھی ابراہیم علیہ السلام کو کہا کہ اگر تو ہمارے بتوں کی برائی کرنے سے باز نہ آیا تو تجھ کو رجم کر دیا جائے گا۔ ابراہم (علیہ السلام) نے فرمایا جنہیں تم پوج رہے ہو یہ الٰہ نہیں ہیں اگر وقت آیا تو میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں کا بیڑا غرق کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ

نمرود کا تعارف:

مفسرین کرام اور ان کے ماسوا دیگر علمائے نسب نے بیان کیا ہے کہ نمرود بابل کا بادشاہ تھا اس کا پورا نام نمرود بن کنعان (یا سنجاریب) بن کوش بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام تھا۔ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے سوا دیگر مفسرین کرام نے اس کا نسب نامہ یوں بیان کیا

ہے۔نمرود بن فالح بن عابر بن صالح بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ نمرود ان چار بادشاہوں میں سے ایک تھا جنہیں اللہ کریم نے پوری دنیا کی بادشاہت عطا فرمائی تھی دو ان میں سے مومن اور دو کافر تھے۔

مومنوں میں حضرت ذوالقرنین اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام جبکہ کافروں میں سے نمرود اور بخت نصر۔بعض روایات میں چوتھا شدّاد تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا، عدن کے جنگلات میں جنت بنوائی اور جب جنت تیار ہوگئی تو اس کو دیکھنے گیا، ابھی گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں کو اس مصنوعی جنت میں رکھا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت عزرائیل علیہ السلام نے اس کو واصل جہنم فرما دیا۔(تفسیر عزیزی، روح البیان)

نمرود کی بادشاہت چار سو سال تک رہی یہ باغی و سرکش اور جابر و متکبر بادشاہ تھا۔ دنیاوی زندگی پر لٹو تھا۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے وحدہٗ لاشریک ذات کے حضور سربسجود ہونے کیلئے دعوت دی تو اس کی جہالت و گمراہی اور لمبی امیدوں نے اسے خالق کائنات کے انکار پر مجبور کر دیا۔اس بارے میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑ پڑا اور اپنے رب ہونے کا دعویدار بن بیٹھا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت نمرود بن کنعان کے دور میں ہوئی۔نمرود ہی مشہور و معروف ضحاک بادشاہ ہے جس کے بارے میں مذکور ہے کہ اس نے ہزار سال حکومت کی یہ بڑا جابر اور ظالم بادشاہ تھا، بعض نے کہا ہے کہ نمرود کا تعلق قبیلہ بنوراسب سے تھا جس کی طرف نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔(علامہ ابن کثیر)

تفسیر کبیر روح المعانی اور خازن و روح البیان کے مطابق یہی وہ نمرود ہے جس نے سب سے پہلے تاج پہنا۔رعایا پہ ظلم و ستم کیا، خدائی کا دعویٰ کیا، کل عمر اس کی آٹھ سو سال تھی جس میں سے چار سو سال اس نے حکومت کی اور اتنا عرصہ بڑے رعب و دبدبے

کے ساتھ گذارا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑا تو چار سو سال سال تک اس کے دماغ میں ناک کی طرف سے مچھر نے گھس کر اس کے سر پر جوتے لگوائے، اس ظالم نے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کیلئے بلند اور مضبوط قلعہ بنوایا، اس کا دارالخلافہ بابل تھا۔

تفسیر کبیر اور روح المعانی میں یہ دونوں اقوال ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ آگ میں جانے اور اس کے گلزار ہونے سے پہلے ہوا یا بعد میں ہوا۔ (واللہ اعلم)

نمرود کی قوم پہ مچھروں کا عذاب بھیجا گیا اور مچھر اس قدر زیادہ تھے کہ سورج چھپ گیا، دھوپ زمین تک نہ آسکی، مچھروں نے ان کے گوشت چاٹ لیے، خون چوس لیا، نمرود کے سوا باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں، نمرود یہ سب کچھ دیکھتا رہا مگر کچھ نہ کرسکا۔ تا آنکہ ایک مچھر اس کی ناک میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا، سر پہ جوتے مرواتا رہا اور بہزار ذلت دوزخ رسید ہوا۔ (خازن، نعیمی، خزائن العرفان)

قرآن یہ بتاتا ہے کہ حکومت اور مملکت عطیہ الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور حقیقتاً اللہ کی ملکیت ہے۔ انسان کی سعادت اور فلاح اس میں ہے کہ اللہ کی دی ہوئی طاقت اور حکومت کو اس کی مرضی کے مطابق چلایا جائے کیونکہ انسان خلیفۃ اللہ فی الارض ہے۔

اسلام میں دولت کے موضوع پر بھی یہی ہدایات دی گئی ہیں کہ دولت انسان کی محنت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ عطیہ الٰہی ہے۔ مملکت ہو یا دولت انسان اس کا مالک حقیقی نہیں ہے بلکہ امین ہے اس لیے مملکت کے امور میں اور دولت کے خرچ کرنے میں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کا پابند رہے۔

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے مناظرے کا تذکرہ جو آپ نے ایک ایسے شخص سے کیا جس نے عظمت و کبریائی کی مصنوعی چادر اوڑھ کر عظمت وجلال والی ذات سے جھگڑنا چاہا اور بزعم خود خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا حالانکہ وہ تو ایک نحیف وضعیف انسان تھا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الم تر الی الذی حاج............الخ (البقرہ:258)

"اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا، زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ بولا: میں جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب (مشرق) سے تو اس کو پچھم (مغرب) سے لے آ تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو"۔

اللہ جل شانہٗ نے اپنے خلیل کے اس مناظرہ کا تذکرہ فرمایا ہے جو انہوں نے ایک سرکش و متکبر ایسے بادشاہ سے کیا جس نے بزعم خود خدا ہونے کا دعویٰ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے خدا ہونے کی دلیل کو رد فرما دیا۔ اس کی جہالتِ کثیر اور عقل قلیل کو ظاہر فرما دیا۔ دلائل و براہین سے اسے ایسی لگام دی کہ اس کیلئے درمیانی راہ کو واضح کر دیا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرا رب تو وہ اللہ ہے جو مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ نمرود نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں۔ نمرود اللہ کے وجود کا منکر نہ تھا اس کا دعویٰ یہ تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور کائنات کا مدبر وہ خود ہے اس کا کہنا یہ نہیں تھا کہ اسباب عالم کے پورے سلسلے پر اس کی حکومت چل رہی ہے بلکہ اس کا دعویٰ صرف اور صرف یہ تھا کہ اس ملک عراق پر اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق میں ہوں میری زبان قانون ہے، میرے اوپر کوئی اقتدار بالا نہیں ہے اور عراق کا ہر وہ باشندہ غدار ہے جو ملک میں میری ربوبیت نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کی ربوبیت کو مانے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں صرف ایک ہی ذات کو رب مانتا ہوں اور اس کے سوا سب کی ربوبیت کا منکر ہوں۔ اللہ کی ربوبیت کو واضح کرنے کیلئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے وہی بات کہی جو سب سے زیادہ واضح تھی یعنی سارے نظام

ربوبیت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ کائنات کی زندگی اور موت کے سارے قوانین کا مالک وہی ہے۔ کسی بندے میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس نظام حیات و موت کو بدل ڈالے یا اس میں کوئی ادنیٰ تصرف بھی کر سکے۔

نمرود اتنا سرکش اور باغی بنا ہوا تھا کہ اس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے سوال کر دیا کہ اگر تو مجھے رب نہیں مانتا تو پھر بتا تیرا رب کون ہے؟

مشرکین نے ہمیشہ خدائی کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ایک مافوق الفطرت خدائی جو سلسلہ اسباب پر حکمران ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجات اور مشکلات میں دستگیری کیلئے رجوع کرتا ہے۔ اس خدائی میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارواح، فرشتوں، جنوں اور سیاروں کو شریک کرتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔

دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی یعنی ربوبیت و حاکمیت جو قوانین حیات مقرر کرنے کی مجاز اور اطاعت امر کی مستحق ہو اور جسے دنیوی معاملات میں فرمانروائی کے اختیارات حاصل ہوں۔

اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکین نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ سے سلب کر کے یا اس کے ساتھ شاہی خاندانوں، مذہبی پروہتوں اور معاشرے کے اکابر میں تقسیم کر دیا۔

روایات یہود میں نمرود کے بارے جو معلومات ملتی ہیں ان کے مطابق وہ اپنی تعظیم اللہ ہی کی طرح کراتا تھا اور اپنے لیے اس نے عرش تیار کیا تھا جس پر وہ اجلاس کرتا تھا۔

کلدانیوں کا ملکی اور قومی مذہب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں اصلاً شمس پرستی تھا۔ نمرود کلدانی اپنے آپ کو اس خدائے اعظم کا مظہر اور اوتار سمجھتا تھا اور اہلِ توحید کو

اپنے ملک کا باغی تصور کرتا تھا۔ نمرود نے بھی فرعون کی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تیرا رب کون ہے؟ تو سیدنا ابراہیم نے جواب دیا:

ربی الذی یحیٖ ویمیت۔(البقرۃ)

''میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے''۔

یعنی میرے رب کے قبضہ واختیار میں موت وحیات کی تمام قوتیں ہیں۔ اس دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی ہے یعنی احیاء اور اماتت کا یہ تمام نظام خود بخود نہیں چل رہا ہے۔ حیات کے اس پھیلے ہوئے نظام کی پشت پر کسی ایسی ہستی کا ارادہ، اس کی حکمت اور کارسازی کام کر رہی ہے جو الحی ہے یعنی زندہ ہے اس کی زندگی کیلئے فنا نہیں ہے۔ القیوم ہے یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے وہ اپنے قیام کیلئے کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی حکومت سے کوئی گوشہ باہر نہیں اس کے علم کیلئے کوئی شئی مخفی نہیں وہ غفلت سے منزہ اور نسیان سے پاک ہے۔ جس ذات نے اتنا بڑا کارخانہ ربوبیت قائم کر رکھا ہے اس زندگی میں قانونی اور حاکمانہ ربوبیت بھی اسی کا حق ہے۔

نمرود کے ذہن میں قوت اقتدار کا خناس گھسا ہوا تھا اس نے اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر جواب دیا کہ زندگی اور موت تو میرے اختیار میں ہے۔ جس کا چاہوں سر قلم کر دوں اور جس کو چاہوں چھوڑ دوں۔ نمرود کا یہ معارضہ بالکل احمقانہ تھا اس نے سفاہت اور حماقت کا مظاہرہ کیا لیکن سیدنا ابراہیم علیہ السلام تو داعی تھے مجادل نہ تھے۔ دعوت کی راہ ہدایت اور خیر خواہی کی راہ ہوتی ہے داعی الی اللہ مخاطب کو دلیلوں کے الجھاؤ میں نہیں پھنساتا اس کی یہ چاہت ہوتی ہے کہ مخاطب کے دل میں کسی نہ کسی طرح سچائی اُتر جائے اس لیے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ نمرود کا دماغ پہلی بات کو نہیں سمجھ سکا تو انہوں نے دوسری دلیل پیش کر دی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دوسری دلیل یہ پیش کی:

فان اللّٰہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب۔(البقرۃ)

"کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا"۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا سورج کے استدلال سے منشاء یہ تھا کہ کارخانہ حیات و ممات کا تمام نظام اللہ کے قبضہ وقدرت میں ہے اگر احیاء و اماتت تیرے قبضہ میں ہیں تو آفتاب روزانہ مشرق سے نکل کر زندہ ہوتا ہے اور روزانہ مغرب میں ڈوب کر مر جاتا ہے۔

آفتاب کے غروب کو مرنا اور طلوع کو زندہ سے تعبیر کرنا محاورہ ہے۔ حدیث میں "الشمس حية" کی تعبیر آتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اگر تیرا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ تو بھی احیاء و اماتت کا مالک ہے تو ذرا آفتاب کو مرتے ہی زندہ کر دے جس وقت آفتاب مر رہا ہو اور مغرب کے افق میں دفن ہو رہا ہو تو اسی وقت اس کو زندہ کر کے واپس لے آ۔

یہ جواب سن کر کافر مبہوت ہو گیا پہلی دلیل کا تو اس نے ڈھٹائی سے جواب دے دیا تھا مگر دوسری دلیل کے بعد اس کیلئے مزید ڈھٹائی سے کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہی۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ آفتاب و ماہتاب اس معبود کے زیرِ فرمان ہیں جس کو ابراہیم رب مان رہا ہے پھر وہ کہتا تو آخر کیا کہتا؟ نمرود کے سامنے اس طرح جو حقیقت بے نقاب ہو رہی تھی اس کو تسلیم کر لینے کے یہ معنی تھے کہ اپنی مطلق العنان فرمانروائی سے دستبردار ہو جائے لیکن نمرود اس کیلئے تیار نہ تھا لہٰذا وہ صرف ششدر ہو کر رہ گیا۔ خود پرستی کی تاریکی سے نکل کر حق پرستی کی روشنی میں نہ آیا۔ (معالم القرآن)

نمرود لاجواب ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام اٹھ کر واپس آ گئے۔ نمرود اور قوم نمرود نے فیصلہ کیا کہ اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر کچھ کر سکتے ہو تو کرو یہی فرق ہے مشرک کی سوچ اور موحد کی سوچ میں۔ مشرک اپنے معبودوں کی خود مدد کرتا ہے جبکہ موحد کا معبود اس کی مدد کرتا ہے فیصلہ یہ ہوا کہ لکڑیاں جمع کی جائیں بہت بڑا الاؤ تیار کر کے ابراہیم علیہ السلام کو جلا دیا جائے تاکہ آئندہ کسی کو بھی ایسی جراءت نہ ہو۔

قتادہ، سدی اور محمد بن اسحٰق علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ نمرود کے پاس دو ایسے

آدمی پیش کیے گئے جن کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ تب اس نے ایک کو قتل کرنے اور دوسرے کو رہا کردینے کا حکم دیا اس نے سمجھا کہ گویا ایک کو زندہ کر دیا اور دوسرے کو مار دیا ہے حالانکہ یہ عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چیلنج کے معارض نہ تھا بلکہ موضوع مناظرہ سے خارجی کلام تھا یہ مانع و معارض نہیں بلکہ محض شر کو بھڑکانے والا اور حقیقت سے منقطع تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو ان مشاہدات کے وقوع پر ان کے بنانے والے کے وجود پر دلیل لی تھی کہ ان کی موت و حیات کا سلسلہ بغیر کسی ہستی کے ممکن نہیں بلکہ ضرور کوئی فاعل حقیقی ہے خود بخود ان کا قیام نہیں ہو سکتا ضرور کوئی ایسی ہستی ہے جس نے انہیں پیدا کیا اور مسخر کیا اور سیاروں، ہواؤں، بادلوں اور بارش کو ان کے مقصد میں چلایا۔ کائناتِ عالم میں موجود حیوانات کو پیدا فرمایا پھر انہیں آغوشِ موت عطا کی اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ربی الذی یحی ویمیت۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ تو جواباً اس احمق بادشاہ کا یہ قول انا احی و امیت۔ میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں اگر یہ مراد لی جائے کہ یہ ہی فاعل ہے تو یہ سرکشی اور کبر ہے اور اگر اس سے وہ چیز مراد لی جائے جو قتادہ، سدی اور ابن اسحٰق علیہم الرحمۃ نے مراد لی ہے کہ اس نے دو قیدیوں کو طلب کر کے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کو بری کر دیا تو پھر اس نے تو کوئی ایسا کلام ہی نہیں کیا جس کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام کے جواب سے ہو اس لیے کہ نہ تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعویٰ کو رد کیا اور نہ ہی جواباً کوئی دلیل پیش کی۔ (یعنی منہ سے کچھ نہ پھوٹا)

ملکوت کا مشاہدہ:

قرآن مجید میں رب العالمین کا ارشادِ پاک ہے:

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین۔ (الانعام:75)

''اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمانوں کی ساری بادشاہی

دکھاتے ہیں تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں"۔ (عین الیقین والوں میں سے)

عظیم حکومت و بادشاہی کو ملکوت کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے:

فانه علیه السلام فرجت له السمٰوات السبع فنظر الی ما فیهن حتی انتهٰی بصره الی العرش و فرجت له الارضون السبع فنظر الی ما فیهن۔

آپ (علیہ السلام) کو تمام نشانیاں اور عجائبات (چاند، سورج، پہاڑ، دریا وغیرہ کے حقائق) کا مشاہدہ کرایا گیا، ساتوں آسمانوں کو آپ پر کھول دیا گیا، آپ نے آسمانوں کی تمام اشیاء ملاحظہ فرمائیں یہاں تک کہ نظر عرش معلیٰ تک پہنچی اور اوپر کی کوئی چیز آپ پر چھپی نہ رہی۔ پھر ساتوں زمینیں آپ پر منکشف کی گئیں تو آپ کی نظر تحت الثریٰ تک گئی اور کسی زمین کی کوئی چیز آپ پہ پوشیدہ نہ رہی۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ابن مردویہ نے روایت کی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام زمین و آسمانوں کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک شخص کو زمین کے کسی حصے میں چھپ کر گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر اس کے خلاف اللہ کی بارگاہ میں دعا فرمائی تو اللہ نے اس گناہگار کو ہلاک کر دیا، اس طرح ایک اور شخص کے بارے میں بھی ایسا ہی ہوا پھر جب تیسرا گناہ گار دیکھا تو اس کے خلاف دعا کرنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور فرمایا: اے پیارے ابراہیم! تو مستجاب الدعوات ہے، میرے بندوں کی ہلاکت کیلئے دعا نہ کر کیونکہ میرے بندوں کی تین قسمیں ہیں:

1- گناہگار جو گناہوں سے توبہ کریں گے اور میں ان کی توبہ کو قبول کروں گا۔
2- خود تو ساری زندگی گناہوں میں گذارنے والے لیکن ان کی اولاد ایسی نیک ہو گی کہ میری تسبیح و تہلیل کر کے زمین کو بھر دے گی۔
3- گناہوں پہ مرنے والے جو میرے قبضۂ قدرت میں ہوں گے چاہوں تو عذاب

دوں چاہوں تو معاف کر دوں۔(روح المعانی 197/4)

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے رب سے مکالمہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واذ قال ابراھیم رب ارنی......... عزیز حکیم۔(البقرہ:260)

''اور جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے اے رب میرے مجھے دکھا دے کہ تو کیونکر مردے جلائے (زندہ کرے) گا (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کیا تجھے یقین نہیں۔عرض کی: یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آ جائے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ ملا لے۔ پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے۔ پاؤں سے دوڑتے اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس سوال کرنے کے کچھ اسباب تھے جنہیں مفسرینِ کرام نے ذکر کیا ہے اور امام ابنِ کثیر بھی اسے تفسیر ابن کثیر میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی گزارش کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چار پرندوں کو لے لو اور ان چار پرندوں کے تعین میں کئی مختلف اقوال ہیں اور ان پرندوں اور ان کے پروں کو ریزہ ریزہ کر دو اور ان کے گوشت کو ایک دوسرے میں ملا دو پھر ان کو حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک حصے کو ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو۔ حضرت ابراہیم نے حکم کے مطابق ایسا کر دیا پھر حکم ہوا کہ اب انہیں اپنے رب کے حکم سے آواز دو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں آواز دی تو ہر حصہ گوشت کا اپنے اصل پرندے کی طرف اڑ پڑا حتیٰ کہ پرندے کا بدن مکمل ہو گیا جس طرح کہ وہ اصلی حالت میں تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قدرتِ الٰہیہ کا مشاہدہ فرماتے رہے کہ جسے وہ ذات حکم عطا فرماتی ہے کہ (کن) ہو جا تو وہ چیز

قدرتِ الٰہیہ کی کرشمہ سازیوں کی بدولت معرضِ وجود میں آجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف وہ پرندے اڑتے ہوئے نہیں بلکہ دوڑتے ہوئے آئے تاکہ ابراہیم علیہ السلام اچھی طرح ان کا مشاہدہ فرمالیں۔

مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم تھا کہ ان پرندوں کے سروں کو اپنے ہاتھ میں ہی رکھیں جب ہر پرندہ دوڑتا ہوا آپ کے پاس آتا آپ اس کا سر اس کے جسم پر رکھتے تو وہ پہلی ہی حالت پر تیار ہو جاتا۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بلا شک و ارتیاب حضرت ابراہیم علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر کامل یقین رکھتے تھے لیکن انہوں نے چاہا کہ وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرلیں تاکہ علم الیقین عین الیقین میں بدل جائے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کی امید کو پورا فرما دیا۔

مردے زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مردوں کو زندہ کرنے کا سوال کیوں کیا؟ اس کی کئی وجوہات تھیں۔ سترہ کا ذکر تو امام رازی نے فرمایا ہے جس میں سے چار کو امام نووی نے واضح اور ظاہر قرار دیا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

1- اگرچہ ہر نبی کو علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور ان کے علم استدلالی میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی بلکہ ضروری اور بدیہی کی طرح ہی ہوتا ہے تاہم آپ چاہتے تھے کہ اپنی آنکھوں سے مردوں کو زندہ ہوتا دیکھوں تاکہ کسی کو یہ کہنے کی جرأت بھی نہ رہے کہ جب آپ نے مردے کو زندہ ہوتے دیکھا ہی نہیں تو پھر آپ کے علم پر یقین کیسے کرلیا جائے۔

2- اپنا مرتبہ اور مقام بارگاہِ رب العزت میں دیکھنا مقصود تھا کہ میری دعا کا اثر کہاں تک جاتا ہے تاکہ یہ بات ظاہر و باہر ہو جائے کہ ابراہیم علیہ السلام رب العالمین کی بارگاہ میں واقعی خلیل ہیں۔ اس صورت میں اولم تؤمن کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اے ابراہیم

کیا تمہیں یقین نہیں کہ تو میری بارگاہ میں کتنا عظیم و پسندیدہ ہے۔

3- آپ کو شک پہلے بھی کوئی نہ تھا صرف علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی مقصود تھی جو کہ مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکتی تھی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم شک کرنے میں ابراہیم سے زیادہ حق رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نہ انہیں شک تھا نہ ہمیں شک ہے۔ جس طرح کسی پیارے پہ لگنے والا غلط الزام اپنے سر لیا جاتا ہے کہ اگر وہ ایسا ہے تو پھر سُن لو کہ ہم اس سے بڑھ کر ایسے ہیں۔ یہی معنی علماء و شارحین حدیث نے فرمایا ہے:

معناہ ان الشك مستحیل فی حق ابراھیم فان الشك فی احیاء الموتٰی لو کان متطرقا الی الانبیاء لکنت انا احق بہ من ابراھیم وقد علمتم انی لم اشك فاعلموا ان ابراھیم لم یشك۔

(شرح مسلم للنووی زیر حدیث نحن احق بالشک من ابراہیم۔ مسلم جلد 1 کتاب الایمان باب زیادۃ طمانیۃ القلب)

4- ابراہیم علیہ السلام نے جب نمرود کو فرمایا: **ربی الذی یحی ویمیت۔** تو اپنی دلیل کو کافروں پر اور مضبوط بنانے کیلئے مردوں کو زندہ کرنے کیلئے اپنے رب سے عرض کر دیا۔ تا کہ دلیل مشرکوں پر پوری طرح ظاہر ہو جائے۔

(شرح نووی علی المسلم جلد 1 کتاب الایمان باب طمانیۃ القلب)

اور مردے زندہ ہو گئے:

چنانچہ آپ نے چار پرندے مور، گدھ (یا کبوتر) کوا اور مرغ لے کر بحکم الٰہی ان کو اپنے ساتھ مانوس کیا پھر ان کو ذبح کر کے ہڈیاں اور گوشت مکس کر کے چار پہاڑوں پہ رکھا اور اس طرح پکارا:

> ''اے جدا جدا ہڈیو! اے متفرق گوشت کے پارو! اے کٹی ہوئی رگو! آپس میں مل جاؤ تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھر سے زندہ فرما دے''۔

یہ اعلان سنتے ہی جس پرندے کا جو جز تھا وہ علیحدہ علیحدہ جمع ہوتا گیا یہاں تک

کہ خون کے قطرات بھی۔

آپ کو عین الیقین کا مقام مل گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے ابراہیم! میں نے زمین میں چار قسم کی ہوائیں قائم کی ہیں۔ شمالی، جنوبی، بادصبا اور دبور۔

قیامت کے دن سارے مردوں کا زندہ کرنا میرے نزدیک ایسے ہی ہے، جیسے تمہارا دنیا میں پیدا کیا جانا اور جیسے کسی ایک شخص کو زندہ کرنا۔ (روح المعانی)

اللہ تعالیٰ نے پرندوں کو اپنی طرف مانوس کرنے کا حکم اس لیے دیا تاکہ ابراہیم علیہ السلام بعد میں پہچان لیں کہ یہ وہی پرندے ہیں۔

آخر پرندے ہی کیوں اور پھر یہی چار کیوں؟:

تمام مخلوق کو چھوڑ کر پرندوں پر نظر انتخاب اس لیے پڑی کہ وہ بھی بلندی کی طرف پرواز کرنے والے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی مقام بلند عطا کرنا مقصود تھا یا اس لیے کہ جس طرح پرندے متفرق ہونے کے بعد جمع ہو جاتے ہیں قیامت کے دن اسی طرح متفرق انسان قبروں سے اٹھ کر یکجا ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

خشعا ابصارهم يخرجون من الاجداث كانهم جراد منتشر۔

(سورۃ القمر: 7، تفسیر کبیر)

پھر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کیلئے ایک پرندہ ہی مار کر زندہ کر دیا جاتا تو کافی تھا آخر چار پرندے ہی کیوں؟ اس سے ابراہیم علیہ السلام کی رب العالمین کی بارگاہ میں خلت اور پسندیدگی کا اندازہ ہوتا ہے کہ بجائے ایک کے ہم چار کر دیتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حیوانات چار عناصر (ہوا، پانی، آگ، مٹی) سے مرکب ہیں تو چار کو زندہ کر کے عناصر اربعہ سے تمام مرکبات کو مرنے کے بعد زندہ کرنے کی طرف اشارہ فرما دیا۔

پھر انہی چار کو منتخب کرنے کی وجہ علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ

مور میں زینت ہے اور انسان کیلئے بھی دنیا میں زینت کا سامان کیا گیا:

قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ من الطیبت والرزق۔

زین للناس حب الشھوات......

انسان کو جس طرح کھانے اور نعمتیں استعمال کرنے کا شوق ہوتا ہے گدھ بھی زیادہ کھانے میں مشہور ہے۔

مرغ سے انسانی شہوات وشرم گاہ کی خواہشات ولذات کی طرف اشارہ ہے۔

کوّے سے انسانی حرص ولالچ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز دونوں میں مشترک ہے۔ سوائے کوّے کے رات کو کوئی پرندہ نہیں اڑتا اور سخت سردی میں دن کے وقت صرف کوّا ہی کائیں کائیں کرتا ہوا باہر نکلتا ہے۔

اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تو صرف جسم اور جسمانیات تک ہی محدود رہنے کا پروگرام ہے تو ان چیزوں میں پھنسے رہو اور اگر روحانی ترقی اور انوار وتجلیاتِ الٰہیہ کی دولت کو سمیٹنا ہے تو ان قیود سے باہر نکلو اور ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پہ چل کر اللہ بس ماسوی اللہ ہوس؟ کا نعرۂ مستانہ لگانا پڑے گا۔

مقامِ حضرت ابراہیم خلیل اور کلامِ ربِّ جلیل:

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں بے شمار مقامات پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح سرائی کی ہے۔ تقریباً پینتیس مقامات پہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر ہوا ہے اور ان میں بجنسہٖ مقامات صرف سورۂ بقرہ میں ہیں اور آپ پانچ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک ہیں جن کے نام خصوصی طور پر احزاب وشوریٰ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ان مقامات میں سے چند مقامات کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

چنانچہ سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

واذ ابتلی ابراھیم ربہٗ......... الخ (البقرہ:124)

''اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس

نے وہ پوری کر دکھائیں (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) عرض کی اور میری اولاد سے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا"۔

اس کے بعد رکوع کے آخر تک تعمیر کعبہ اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی دعاؤں کا تذکرہ چلتا ہے اور دوسرے رکوع کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

ومن یرغب عن ملة ابراھیم.......... تعملون۔ (البقرہ:130 تا 140)

"اور ابراہیم علیہ السلام کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا اور بے شک وہ آخرت میں ہمارے خاص قرب کی قابلیت والوں میں ہے جبکہ اس کے رب نے فرمایا گردن رکھ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی میں نے گردن رکھی اس کیلئے جو رب ہے سارے جہاں کا اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے یہ دین تمہارے لیے چن لیا ہے تو نہ مرنا مگر مسلمان، یا تم خود موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا: میرے بعد کس کی پوجا کرو گے، بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق علیہم السلام کا ایک خدا اور ہم اس کے حضور گردن رکھتے ہیں وہ ایک امت ہے کہ گزر چکی ان کیلئے وہ ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے وہ جو تم کماؤ اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی۔ اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہو جاؤ راہ پاؤ گے، تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کا دین لیتے ہیں جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔ یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام اور ان کی

اولاد پر اور جو عطا کیے گئے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام اور جو عطا کیے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھنے والے ہیں پھر اگر وہ بھی یوں ہی ایمان لائے جیسا تم ایمان لائے جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ نری ضد میں ہیں تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! عنقریب اللہ ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی ہے سنتا جانتا ہم نے اللہ کا رنگ حاصل کر لیا اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اس کو پوجتے ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ اور ہم تو بس اسی کے ہیں بلکہ تم یوں کہتے ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے تم فرماؤ کیا تمہیں علم زیادہ ہے یا اللہ کو اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے اور خدا تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

سورۂ آلِ عمران میں فرمایا:

یا اھل الکتاب لم تحاجون........... ولی المومنین۔ (آل عمران: 65 تا 68)

"اے کتاب والو! ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ توریت و انجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ سنتے ہو یہ جو تم اس میں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم تھا (اس کی وجہ تو کوئی ہو سکتی ہے) مگر اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ ہر باطل دین سے جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے بیشک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے اور

ایمان والوں کا والی اللہ ہے۔

یہودیوں اور عیسائیوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے دین اور طریقہ پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان دونوں گروہوں کے دعویٰ کی تردید فرما کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان سے بری فرما دیا اور ان کی تکثیر جہالت اور تقلیل عقل کو یوں بیان فرمایا: **وما انزلت التورات والانجیل الا من بعدہ۔** (توریت و انجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد) یعنی احمقو! تمہارے دین پر وہ کیسے ہو گئے تمہیں جو شریعت دی گئی وہ تو حضرت ابراہیم کے ایک مدت طویلہ کے بعد نازل ہوئی۔ **افلا تعقلون۔** تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو دین حنیف پر تھے۔ دین حنیف سے مراد ہے کہ **قصداً انحراف من الباطل و رجوع الی الحق** دین حنیف جان بوجھ کر باطل کو چھوڑنا اور حق کی طرف آنا۔ لہٰذا حنیفا مسلما وہ ہے یہودی، عیسائی اور مشرکین کے بالکل مخالف و برعکس ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهیم حنیفا واتخذ الله ابراهیم خلیلا۔ (النساء:125)

''اور اس سے بہتر کس کا دین ہے جس نے اپنا منہ اللہ کیلئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے دین پر جو ہر باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا گہرا دوست بنایا''۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی ترغیب دے رہا ہے کیونکہ وہ دین قیم اور صراطِ مستقیم پر کاربند تھے اور آپ نے ہر حکمِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی مدح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وابراهیم الذی وفی۔ (النجم:37)

''ابراہیم جو پورے احکام بجالایا''۔

سورۂ انعام اور النحل میں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

قل اننی ھدانی ربی.......... اول المسلمین۔ (انعام:161 تا 163)

''تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ٹھیک دین ابراہیم علیہ السلام کی ملت جو ہر باطل سے جدا تھے اور مشرک نہ تھے۔ تم فرماؤ بیشک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کیلئے ہیں جو رب ہے سارے جہان کا''۔

ان ابراھیم کان امۃ.......... وما کان من المشرکین۔

(النحل:120 تا 123)

''بیشک ابراہیم ایک امام تھا، اللہ کا فرمانبردار اور سب سے جدا اور مشرک نہ تھا۔ اللہ کے احسانوں پر شکر کرنے والا اللہ نے اسے چن لیا اور اسے سیدھی راہ دکھائی اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں شایانِ قرب ہے۔ پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دین ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو جو ہر باطل سے الگ تھا اور مشرک نہ تھا''۔

سورۂ احزاب اور شوریٰ میں ارشاد فرمایا گیا:

واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنك ومن نوح وابراھیم و موسٰی و عیسٰی ابن مریم واخذنا منھم میثاقا غلیظا۔ (احزاب:7)

''اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا''۔

شرع لکم من الدین ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصینا به ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه۔ (شوریٰ:13)

''تمہارے لیے دین کی وہ راہ ڈالی جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا

اور جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا کہ دین ٹھیک رکھو اور اس میں پھوٹ نہ ڈالو"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے رب کی جانب سے سخت آزمائشوں کو پورا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کا پیشوا و مقتدا بنا دیا تا کہ لوگ آپ کی اقتدا کریں اور آپ کی ہدایت پر سر تسلیم خم کریں۔ تب آپ نے اللہ کے حضور یہ دعا کی کہ الٰہ العالمین! یہ منصب امامت میرے بعد آنے والی نسلوں میں قائم و دائم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا و التجا کو قبول فرماتے ہوئے اس منصب کو آپ کی اولاد میں جاری فرما دیا۔ آپ کی اولاد میں سے باعمل اہل علم کو یہ منصب سونپنے کیلئے مخصوص فرما کر ظالموں کو اس سے محروم و مایوس کر دیا۔ ارشادِ الٰہی ہوا:

ووھبناله اسحاق و یعقوب وجعلنا فی ذریته النبوة والکتٰب وآتینه اجرهٗ فی الدنیا وانه فی الآخرة لمن الصالحین۔ (عنکبوت:27)

"اور ہم نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام عطا فرمائے اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی اور ہم نے دنیا میں اس کا ثواب اسے عطا فرمایا اور بیشک آخرت میں وہ ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہے"۔

ووھبناله اسحٰق ویعقوب.......... الی صراط مستقیم۔

(انعام:84 تا 87)

"اور ہم نے انہیں (ابراہیم کو) اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام عطا کیے۔ ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح علیہ السلام کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق ہیں اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط

علیہم السلام کو اور ہم نے ہر ایک کو اس کے وقت میں سب پر فضیلت دی اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی"۔

آیت مذکورہ میں "ومن ذریته" میں ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام گو کہ آپ کے بھتیجے ہیں لیکن تغلیباً ان کو بھی اولاد میں داخل کر دیا گیا ہے۔ جنہوں نے ضمیر کا مرجع حضرت نوح علیہ السلام کو تسلیم کیا ہے وہ یہیں سے دلیل لیتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ اولاد میں ہے اور حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد نہیں ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

ولقد ارسلنا نوحا وابراهيم وجعلنا فی ذریتهما النبوة والكتٰب۔ (الحدید:26)

"اور بیشک ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو بھی کتب سماوی انبیاء کرام پر نازل ہوئیں وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے ہی کسی نبی پر نازل ہوئیں۔ یہ ایسی خلعت عظمیہ اور مرتبہ وکمال ہے کہ جس کی نہ تو مثال ہے اور نہ ایسے حسن وکمال پر کوئی اور فخر کر سکتا ہے۔

فرشتے مہمان بن کر آ گئے:

ولقد جآءت رسلنا ابراهيم بالبشریٰ......... حميد مجيد۔

(ھود:69تا73)

"اور بیشک ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس مژدہ لے کر آئے، سلام کہا پھر کچھ دیر نہ کی کہ (ابراہیم) ایک بچھڑا بنا کر لے آئے پھر (ابراہیم علیہ السلام) نے دیکھا کہ ان ملائکہ کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں پہنچے

ان کو اوپری (اجنبی) سمجھا اور جی ہی جی میں ان سے ڈرنے لگا۔ (فرشتے) بولے ڈریئے نہیں ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں اور اس کی بی بی کھڑی تھی وہ ہنسنے لگی تو ہم نے اسے اسحٰق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور اسحٰق علیہ السلام کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بولی: ہائے خرابی کیا میرے ہاں بچہ ہوگا اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بیشک یہ تو اچنبے کی بات ہے۔ فرشتے بولے: کیا اللہ کی بات کو اچنبا کرتی ہو اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر اس گھر والو بے شک وہی ہے سب خوبیوں والا عزت والا"۔

اس واقعہ کو سورۂ الحجر میں یوں بیان فرمایا:

نبئهم عن ضيف ابراهيم.......... الا الضالون۔ (الحجر:51تا56)

"اور انہیں احوال سناؤ ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا جب وہ اس کے پاس آئے تو سلام کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا ہمیں تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں کہا گیا کیا اس پر مجھے بشارت دیتے ہو کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اب کاہے پر بشارت دیتے ہو۔ فرشتے نے کہا ہم نے آپ کو سچی بشارت دی آپ ناامید نہ ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہے؟ مگر وہی جو گمراہ ہوئے"۔

اور سورۂ ذاریات میں یہی واقعہ اس طرح ہے:

هل أتاك حديث ضيف ابراهيم المكرمين.......... هو الحكيم والعليم۔ (الذاریات:24تا30)

"اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تمہارے پاس ابراہیم علیہ السلام کے معزز مہمانوں کی خبر آئی جب اس کے پاس آکر انہوں نے سلام کہا (حضرت ابراہیم

نے) کہا ناشناسا لوگ ہیں پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے اس کے پاس رکھا اور کہا کیا تم کھاتے نہیں تو اپنے جی میں ان سے ڈرنے لگا وہ بولے ڈریئے نہیں اور اسے علم والے لڑکے کی بشارت دی اس پر اس کی بی بی (سارہ رضی اللہ عنہا) چلاتی ہوئی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا اور بولی کیا بڑھیا بانجھ کو؟ انہوں نے کہا: تمہارے رب نے یونہی فرمادیا ہے اور وہی حکیم ودانا ہے"۔

جو ملائکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے وہ تین تھے حضرت جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام جب وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ نے انہیں مہمان سمجھتے ہوئے ان سے مہمانوں سا سلوک کیا۔ اپنی عمدہ ترین گایوں میں سے ایک موٹا تازہ بچھڑا ان کے لیے تیار کیا جب کھانا تیار کر کے مہمانوں کے سامنے پیش کیا تو آپ نے دیکھا کہ وہ کھانا تناول کرنے کی کوشش و ہمت نہیں کر رہے کیونکہ ملائکہ کو کھانا کھانے کی حاجت وضرورت ہی نہیں ہے۔ **نکرھم** ابراہیم علیہ السلام نے انہیں ناشناسا سمجھا۔ **و اوجس منهم خيفة قالوا لا تخف انا ارسلنا الى قوم لوط**۔ اور جی ہی جی میں ان سے ڈرنے لگے۔ فرشتے بولے، ڈریئے نہیں ہم لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک و برباد کرنے کیلئے۔

حضرت سارہ رضی اللہ عنہا عربوں کے دستور کے مطابق اس وقت اُن کے سرہانے کھڑی تھیں، جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خبر سنی تو غضبناک ہوگئیں تب فرشتوں نے اس وقت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو خوشخبری دی۔ آپ خوشخبری سن کر ہنس پڑیں: **فبشرنها باسحق و من وراء اسحق يعقوب**۔ ہم نے اسے

(سارہ رضی اللہ عنہا کو) اسحق علیہ السلام اور اسحق علیہ السلام کے پیچھے یعقوب علیہ السلام کی خوشخبری دی یعنی ملائکہ نے انہیں خوشخبری سنائی۔ **فاقبلت امرأته فی صرة فصکت وجهها** تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا چلانے لگی اور اپنا ماتھا ٹھونکنے لگی جس طرح عام طور پر عورتیں تعجب کے وقت کرتی ہیں۔ **قالت یویلتی ءالدوانا عجوز و هذا بعلی شیخا۔** کہنے لگیں کہ میرے جیسی عورتیں بچے کو کیسے جنم دے سکتی ہیں جبکہ میں بوڑھی اور بانجھ ہوں اور میرے شوہر بھی معمر و بوڑھے ہیں اس حالت اور بچے کے پیدا ہونے پر تعجب ہے۔ **ان هذا الشیئی عجیب** بیشک یہ تو اچنبے کی بات ہے۔

ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اس بشارت پر تعجب ہوا لیکن تعجب اور خوشی کی ملی جلی کیفیت سے پوچھا:

ابشر تمونی علی ان مسنی الکبر فبم تبشرون قالوا بشرنك بالحق فلا تکن من القنطین۔ (الحجر:54 تا 55)

"کیا اس پر مجھے بشارت دیتے ہو کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اب کا ہے پر بشارت دیتے ہو؟ کہا ہم نے آپ کو سچی بشارت دی آپ ناامید نہ ہوں"۔

ملائکہ نے دوبارہ بشارت بیان کر کے خبر کی تاکید و تکرار کیا۔ دونوں کو بشارت دیتے ہوئے کہا: وہ پیدا ہونے والا بچہ صاحب علم و فضل ہوگا اور وہ حضرت اسحق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھائی تھے اللہ تعالیٰ نے صفت علم و حلم بیان فرما کر ان کے مقام علو، مقام صبر اور مرتبۂ علم کی رفعت کی جانب اشارہ فرمایا اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد پر پختہ اور صابر ہونے کو بھی بیان فرما دیا۔

یہی وہ آیت ہے جس سے محمد بن قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب استدلال کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ حکم ذبح حضرت اسحٰق علیہ السلام کیلئے جائز ہی نہ ہوگا اس لیے کہ حضرت اسحٰق کی ولادت اور ان کے بیٹے کی ولادت کی خوشخبری دی جارہی ہے اگر بچپن میں انہیں ذبح کرنے کا حکم ہوگیا ہوتا تو بعد میں بیٹے کی ولادت کی خوشخبری کا کیا معنیٰ ؟

عظمتِ خلیل اللہ بزبانِ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اپنا خلیل ویسے ہی بنالیا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بنایا تھا''۔ (صحیحین)

اے لوگو! اگر روئے زمین پر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب اللہ کا خلیل ہے۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن تشریف لائے، آپ نے نمازِ فجر پڑھائی اس میں قرأت کی تو یہ آیت بھی تلاوت کی: واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً۔ لوگوں میں سے ایک آدمی نے کھڑے ہوکر کہا: بیشک ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار کررہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ملاحظہ فرمایا کہ صحابہ آپس میں گفتگو کررہے ہیں۔ آپ نے بھی گفتگو سننا شروع کردی کسی نے کہا: تعجب ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو خلیل بنایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل منتخب فرمالیا۔ دوسرے نے کہا: سبحان اللہ موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی نصیب کیا۔ ایک نے کہا عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں، ایک نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے سلام کیا اور فرمایا کہ میرے

اصحاب میں نے تمہارے کلام کو بھی سماعت فرمالیا اور تمہارے تعجبات کو بھی ملاحظہ کرلیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور یہ درست ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں یہ بھی درست ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں یہ بھی درست ہے کہ آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں مگر یہ بھی درست ہے کہ الاوانی حبیب اللّٰہ۔ سن لو! میں حبیب اللہ ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں۔ سن لو! میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں ہی جنت کے دروازے کو کھٹکھٹاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو کھولے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے۔ میں بروز قیامت اولین و آخرین میں سب سے زیادہ معزز ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ (یعنی مجھے فخر نہیں کہ مجھے قیادت ملی بلکہ کائنات عالم اور بالخصوص نبیوں اور رسولوں کو فخر کرنا چاہیے کہ انہیں مجھ جیسا قائد مل گیا ہے)

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کیا تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہونے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کلیم ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حبیب ہونے اور اللہ کے دیدار کرنے کا انکار کرتے ہو؟ صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہم اجمعین۔

اسحٰق بن بشار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو ان کے دل میں خوف پیدا ہوگیا، خوف خداوندی سے ان کا دل پھڑکتا تھا اور پھڑکنے کی آواز بھی سنائی دیتی تھی جس طرح فضاؤں میں پرندے کے پھڑپھڑانے کی آواز آتی ہے۔

موتیوں کا محل:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک محل ہے راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ موتیوں

سے جڑا ہوا ہے نہ تو کوئی اس میں شگاف ہے اور نہ ہی پھٹن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس محل کو بطور میزبانی کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے تیار فرمایا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی شکل وشباہت:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر انبیاء کرام کو پیش کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے خوبرو مرد تھے گویا کہ ان مردوں میں سے تھے جن پر حسد کیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے مشابہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام غلام دحیہ کلبی کے مشابہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے عیسیٰ ابن مریم موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا۔ عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ والے، گھنگریالے بالوں والے اور کشادہ سینے والے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، آدم علیہ السلام کی طرح بڑے قد آور اور جسیم تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی اور ابراہیم علیہ السلام؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے صاحب (خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر (ک، ف، ر) لکھا ہوا ہوگا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے دجال کے حلیہ کے بارے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا۔ البتہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حلیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنا چاہتے ہو تو گویا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لو اور موسیٰ علیہ السلام گھنگریالے بالوں والے حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تھے۔ میں نے انہیں دیکھا کہ وہ کھجور کی چھال سے بنی ہوئی مہار والی سرخ اونٹنی پر سوار ہو کر ایک وادی میں تشریف لے جا رہے تھے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں تصویروں کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل نہ ہوئے، آپ نے حکم فرمایا

کہ ان تصویروں کو مٹا دیا جائے۔ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کے ہاتھوں میں فال کے تیر دے کر تصویر کشی کی گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ارشاد فرمایا اللہ انہیں (کافروں کو) تباہ و برباد کرے حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام نے تو کبھی بھی ان تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔ (بخاری)

بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ ان کو ہلاک کر دے وہ جانتے بھی ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے کبھی ان تیروں کے ساتھ تقسیم نہیں کی۔

صحیح مسلم میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میں ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا کہ ساری مخلوق میری طرف راغب و متوجہ ہوگی حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی میری جانب متوجہ ہوں گے۔ پھر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوب مدح سرائی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مدح سرائی فرمانا اس بات کی شہادت ہے کہ خالقِ کائنات کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دنیوی اور اخروی زندگی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام افضل الخلائق ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول مکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو چند کلمات پڑھ کر دم فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ بیشک تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام انہی کلمات کے ساتھ حضرت اسمٰعیل واسحٰق علیہما السلام کو دم فرمایا کرتے تھے اور وہ کلمات درج ذیل ہیں:

اعوذ بکلمات اللّٰہ التامۃ من کل شیطٰن وھامۃ ومن کل عین لامۃ۔

''میں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور وسوسے ڈالنے والے سے اور ہر بری نگاہ سے پناہ مانگتا ہوں''۔

حضور علیہ السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل کون؟:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام مخلوق میں افضل ترین حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی

ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے شب معراج دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ وہ بیت المعمور جس میں روزانہ ستر ہزار ملائکہ داخل ہوتے ہیں جو فرشتہ ایک مرتبہ داخل ہو گیا تا قیامت دوبارہ اس کی باری نہیں آئے گی۔

شریک ابن نمیر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چھٹے آسمان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افضل ہونے پر آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالیشان بھی دلالت کرتا ہے کہ میں نے اپنی تیسری دعا اس دن کیلئے مخصوص کر رکھی ہے جس دن ساری مخلوق حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام بھی میری طرف راغب ہوں گے۔

یہی وہ مقامِ محمود ہے جس کی خبر سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بایں الفاظ دی ہے۔ انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر۔ میں بروز حشر اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے شفاعت طلب کریں گے پھر حضرت نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لیکن جملہ انبیاء کرام اس سے معذوری کا اظہار فرمائیں گے حتیٰ کہ مقامِ محمود پر فائز رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں آئیں گے۔ حضور ﷺ فرمائیں گے انا لھا انا لھا۔ ہاں میں ہی شفاعت فرمانے والا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں اور برہنہ جسم اٹھائے جائیں گے سب سے پہلے جنہیں لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

کما بدأنا اول خلق نعیدہ۔ (انبیاء:104)

''جیسے پہلے ہم نے اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے''۔ (صحیحین عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے یہ معین فضیلت حضور اکرم ﷺ پر افضل ہونے کیلئے کافی

نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار خصائص اس سے قبل گزر چکے اور ان میں سے ایک مقامِ محمود پر فائز ہونا بھی ہے جس پر اولین و آخرین سب رشک کناں ہوں گے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا خیر البریۃ (مخلوق میں سے بہتر) کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (مسند امام احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کیلئے بطور عاجزی و انکسار یوں فرمایا کہ ذاك ابراھیم۔ کہ بہترین مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے انبیاء پر فضیلت نہ دو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو کیونکہ لوگ قیامت کے دن گرج دار آواز سے بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں پہلا شخص ہوں کہ مجھے ہوش آئے گا تو میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں علم کہ انہیں افاقہ نصیب ہوا یا کوہِ طور کی بے ہوشی کے عوض ان کی بے ہوشی زائل ہوگئی۔ یہ تمام باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ عالیشان کے منافی نہیں ہیں جو کہ آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ انا سید ولد ادم یوم القیامۃ۔ میں بروزِ حشر اولادِ آدم کا سردار ہوں گا۔

ایسے ہی صحیح مسلم میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے تیسری دعا اس دن کیلئے مخصوص کر لی ہے جس دن جملہ مخلوق حتیٰ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ پر رشک کناں ہوں گے۔

درودِ ابراہیمی:

جب حضور اکرم نورِ مجسم محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اولوالعزم اور افضل الرسل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں تبھی تو ہر نمازی کو اپنی تشہد میں درودِ ابراہیمی پڑھنے کا حکم ہے۔

صحیحین میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے سلام آپ کے حضور عرض کرنے کا طریقہ تو پہچان لیا آپ کیلئے حضور درود کیسے پیش کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰھم صلِّ علٰی محمد وعلٰی ال محمدٍ کما صلَّیت علٰی اِبراھیم وعلٰی ال ابراھیمَ اِنَّك حمیدٌ مجید۔ اللّٰھم بارك علٰی محمد وعلٰی ال محمدٍ کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی ال ابراھیم انَّك حمیدٌ مجید۔

درودِ ابراہیمی میں صرف ابراہیم علیہ السلام کا نام ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے دور میں حضور علیہ السلام کی بعثت کیلئے دعائیں مانگتے رہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب پر درود پڑھنے والے پر ابراہیم علیہ السلام پر بھی درود پڑھنا ضروری کر دیا۔ بلکہ ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں حضور علیہ السلام کی عظمت اپنی اپنی قوم کے سامنے بیان کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حضور علیہ السلام کی زبان پاک سے ان نبیوں کی شان کے خطبے پڑھا دیے۔ جیسا کہ سورۂ مریم کے مختلف مقامات میں فرمایا: واذکر فی الکتٰب موسٰی۔ واذکر فی الکتٰب اسماعیل۔ واذکر فی الکتاب ادریس۔

یاد رہے کہ بعض لوگ ہر حال میں والا درود پڑھنے پر بہت زور دیتے ہیں لیکن شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ نماز میں صرف درود ہی نہیں بلکہ سلام بھی ہے لہٰذا نماز والا درود بھی پڑھو اور صرف درود ہی نہیں بلکہ نماز والا سلام بھی پڑھو۔ السلام علیك ایھا النبی۔

کیا صرف درودِ ابراہیمی ہی جائز ہے باقی سب ناجائز؟:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب درود شریف پڑھنے کا پوچھا گیا تو آپ نے درودِ ابراہیمی بتایا لہٰذا اس کے علاوہ دوسرے الفاظ سے درود شریف پڑھنا خصوصاً ''الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ'' قطعاً درست نہیں کیونکہ یہ الفاظ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں اور دوسرا ان میں نداء بالغیب پائی جاتی ہے جو ناجائز و شرک ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام دونوں بھیجنے کا حکم دیا۔ یاایھا الذین اٰمنو صلوا علیه وسلموا تسلیما۔ یعنی ایک صلوٰۃ اور دوسرا سلام جیسا کہ

موطا کی مذکورہ حدیث میں موجود ہے کہ صلوٰۃ ان الفاظ سے پڑھو اور سلام کا طریقہ تمہیں آتا ہے۔ صحابہ کرام نے بھی صلوٰۃ کا طریقہ اور کیفیت پوچھی تھی اس لیے درود ابراہیمی صرف صلوٰۃ کا طریقہ وکیفیت بیان کرتا ہے اس میں سلام کا ذکر نہیں۔ سلام کا طریقہ پہلے سے جاننا اور صرف صلوٰۃ کا معلوم کرنا اس پر ابن قیم نے بہت تفصیل سے لکھا۔

قد ثبت ان اصحابه رضی الله عنهم سالوه عن كيفية هذه الصلوٰة المامور بها فقال قولوا اللهم صل علی محمد الحديث وقد ثبت ان السلام الذی علموه هو السلام عليه فی الصلوٰة وهو سلام التشهد۔

(جلاء الافہام صفحہ 208 باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

''یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے اسی صلوٰۃ کے بارے میں آپ سے پوچھا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: کہو **اللهم صل علی محمد** الحدیث اور یہ بھی ثابت ہے کہ سلام جو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھا دیا تھا وہ التحیات والا **السلام عليك** الخ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جب صلوٰۃ وسلام دونوں کا حکم ہے تو نماز میں سلام کے معلوم ہونے کے بعد صلوٰۃ کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے نماز میں سلام کے ساتھ صلوٰۃ پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب بعض محدثین سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ وسلام دو باتوں کا حکم دیا ہے لیکن نماز میں صرف درودِ ابراہیمی ہے جو صلوٰۃ پر ہی مشتمل ہے اس میں سلام کا لفظ نہیں تو اس طرح یہ حکمِ خداوندی پر پورا عمل نہ ہوا۔ جواب دیا کہ اس صلوٰۃ سے پہلے دورانِ تشہد نمازی سلام پڑھ لیتا ہے۔ لہٰذا نماز میں دونوں باتیں موجود ہیں اس لیے دوران نماز درود ابراہیمی کافی ہے لیکن خارج از نماز اگر کوئی صلوٰۃ وسلام دونوں پر عمل کرتے ہوئے الصلوٰۃ والسلام علیک یا

رسول اللہ وغیرہ پڑھتا ہے تو اس پر شیخ پا ہونا بدنصیبی ہے۔ رہا یہ کہ اس میں نداء بالغیب پائی جاتی ہے جو شرک ہے تو یہ بھی ان کا قلبی مرض ہے اور نداء بالغیب میں حاضر و ناظر کا ثبوت خود قرآنی الفاظ ''انا ارسلنك شاهداً'' میں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد (حاضر و ناظر) بنا ہی دیا تو پھر ان کا اس پر اعتراض کیوں رہا یہ کہ حضرات صحابہ کرام و تابعین وغیرہ میں سے کسی نے نداء بالغیب کی ہے۔ اس کا ثبوت بھی لے لیجئے۔

وذكر عن النعمان بن بشير ان زيد بن خارجة خرميتا فى بعض ارقة المدينة فرفع سجى اذا سمعوه بين العشائين والنساء يسرخن حوله يقول انصتوا انصتوا فحسر عن وجهه فقال محمد رسول الله ﷺ النبى الامى خاتم النبيين كان ذالك فى الكتاب الاول ثم قال صدق صدق و ذكر ابابكر وعمروعثمان ثم قال السلام عليك يا رسول الله ﷺ ورحمة الله وبركاته ثم عاد ميتا كما كان۔

(شفاء شریف 1/211 فصل احیاء الموتی وکلامہم مطبوعہ مصر)

فتوح الشام کا حوالہ:

حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے حضرت کعب بن حمزہ کو قنسرین فتح کرنے کیلئے بھیجا راستہ میں دشمن کے پانچ ہزار لشکر سے مقابلہ ہوگیا۔ ابھی مسلمانوں کو کامل فتح نہ ہوئی تھی کہ مزید پانچ ہزار آدمی اس لشکر کی مدد کو آگئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان گھبرا گئے اور بیقراری کے عالم میں حضرت کعب بن حمزہ نے یہ الفاظ کہے:

يا محمداه يا محمداه يا نصر الله انزل يا معشر المسلمين اثبتا انما هى الساعة وانتم الاعلون۔

''یا رسول اللہ یا رسول اللہ مدد فرمایئے اے اللہ کی مدد تو بھی آ، اے مسلمانوں کی جماعت! ڈٹ جاؤ یہ گھبراہٹ چند لمحوں کی ہے اور بالآخر غلبہ تمہارا ہی

ہوگا"۔(فتوح الشام صفحہ 298)

اخرج ابن الجوزی فی کتاب عیون الحکایات بسنده عن ابی علی الضریر وهو اول من سکن طرسوس حین بناها ابو مسلم قال ان ثلاثة اخوة من الشام کانوا یغدون وکانوا فرسانا شجاعا فاسرهم الروم مرة فقال لهم الملك انی اجعل فیکم الملك وازوجکم بناتی وترحلون فی دین النصرانیة فابوا وقالوا یا محمداه فامر الملك بثلاثة قدور فصب فیها الزیت ثم او قد تحتها ثلاثة ایام یعرضون فی کل یوم علی تلك القدورو یدعون الی دین النصرانیة فیابون۔

(شرح الصدور صفحہ 89 باب زیارۃ القبور)

"ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں اپنی سند سے ابوعلی ضریر سے یہ بیان کیا۔ ابوعلی ضریر وہ پہلا شخص ہے جو طرسوس میں سکونت پذیر ہوا جسے ابومسلم نے بتایا تھا کہ شام کے رہنے والے تین بھائی جہاد کرتے اور گھڑسوار اور بہت بہادر تھے۔ روم کے بادشاہ نے انہیں ایک مرتبہ قید کر دیا اور کہا کہ میں تمہیں جاگیر بھی دوں گا، اپنی بیٹیوں سے شادی بھی کر دوں گا، بشرطیکہ تم عیسائی ہو جاؤ۔ انہوں نے انکار کر دیا اور پکارا: یامحمداہ۔ اس کے بعد بادشاہ نے تین دیگیں منگوا کر ان میں تیل ڈالا اور تین دن متواتر ان کے نیچے آگ جلائی اور روزانہ ان تینوں کو آگ کے سامنے پیش کیا جاتا اور انہیں عیسائیت کی طرف دعوت دیتا رہا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا"۔

لمحہ فکریہ:

مذکورہ حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ:

1- زید بن خارجہ فوت ہونے کے بعد زندوں سے گفتگو کر رہے ہیں جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے مرنے کے بعد زندہ ہیں۔
2- زید بن خارجہ رضی اللہ عنہ نے **السلام علیك یا رسول اللّٰہ** پڑھا۔
3- حضور ﷺ کو جس طرح ظاہری زندگی میں مدد کیلئے پکارا جاتا تھا اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے وصال کے بعد بھی پکارا۔
4- کعب بن حمزہ نے مشکل کے وقت آپ کو پکارا اور اس پر انہیں کامیابی کا اطمینان تھا۔
5- کامل الایمان حضرات مشکل کے وقت اپنے متوسلین کی حاجت روائی کرتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ ندا بالغیب اور **استمداد من عباد اللّٰہ** قطعاً شرک و بدعت نہیں ورنہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اس کے ارتکاب کا الزام لگانا پڑے گا جس سے وہ بری ہیں۔**فاعتبروا یا اولی الابصار**۔

(شرح مؤطا امام محمد علیہ الرحمہ از الحاج محمد علی نقشبندی علیہ الرحمۃ)

اذان کیساتھ الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ پڑھنا کیسا ہے؟:

دیگر اوقات کی طرح اذان سے پہلے اور بعد میں نبی ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام پیش کرنا جائز اور اجر و ثواب کا باعث ہے۔قرآن پاک میں ہے:

ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلون علی النّبی یایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما۔(احزاب:33)

''بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم بھی آپ ﷺ پر تعظیم کے ساتھ صلوٰۃ وسلام بھیجو''۔

ترمذی میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اولٰی الناس بی اکثرھم صلوٰۃ علیّ۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر زیادہ درود شریف پڑھنے والا (قیامت

کے دن) میرے زیادہ قریب ہوگا"۔

صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلّوا علیّ فانّه من صلّی علیّ مرةً صلّی اللّٰه علیه عشرًا۔ (مسلم، مشکوٰۃ باب الاذان 25)

"جب تم مؤذن سے اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود شریف پڑھو۔ بیشک جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے اللّٰہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے"۔

ابنِ قیم لکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

کل کلام لا یذکر اللّٰه فیه فیبدأ به والصلوٰة علیّ فهوا اقطع واجزم۔ (جلاء الافهام فی الصلوٰة والسلام علی خیر الانام لابن قیم 261)

جس کلام کو بھی اللہ کے ذکر اور مجھ پر درود پڑھے بغیر شروع کیا جائے اس سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ قرآن کریم، تفسیر و حدیث اور علماء کی تصریحات کی روشنی میں بلا ممانعت ہر جگہ ہر وقت و ہر حالت بصیغۂ خطاب وغیرہ ہر طرح درود شرف پڑھنے کے ثبوت سے اگرچہ اذان سے پہلے اور اذان کے بعد بھی صلوٰۃ و سلام پڑھنا ثابت ہو گیا مگر اب ہم خاص اس مسئلہ میں آٹھ سو سال سے زائد اہلِ اسلام وائمہ کرام اور بزرگانِ دین کا اجماع پیش کرتے ہیں اس لیے کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

- بیشک اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ (مشکوٰۃ صفحہ 30)
- جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(کتاب ہمعات صفحہ 29 از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مؤطا امام مالک)

- برکت تمہارے اکابر (بزرگوں) کے ساتھ ہے۔ (کشف الغمہ 19 امام شعرانی)

تاریخِ اسلام کا سرمایۂ افتخار، عاشقِ مصطفیٰ، فاتح بیت المقدس، مجاہدِ اسلام، عادل و دیندار سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 589ھ) نے چھٹی صدی ہجری میں

اپنے دورِ حکومت میں بوقت اذان ''الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھنے کا حکم جاری کیا اور اس کے باوجود کہ سلطان موصوف بذاتِ خود جلیل القدر عالم و فاضل تھے اتنے سو سال کے عرصے میں متفقہ و مسلمہ ائمہ دین و بزرگانِ عظام نے سلطان موصوف پر صلوٰۃ و سلام (کا حکم جاری کرنے پر اس) کے خلاف فتویٰ جاری کرنے کی بجائے اس کی تائید و تصویب فرمائی اور اسے اپنی دعاؤں سے نوازا، ملاحظہ ہو۔

امام محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی (متوفی 902ھ) نویں صدی ہجری کے جلیل القدر امام و بزرگ اور حافظ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے شیخ کے قابلِ فخر شاگرد ہیں جو اپنی مشہور کتاب۔ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں کہ مؤذن حضرات فجر اور جمعہ کی اذان سے پہلے اور (تنگی وقت کے باعث مغرب کی نماز کے علاوہ) باقی اذانوں کے بعد جو الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھتے ہیں اس کی ابتداء سلطان ناصر الدین یوسف بن ایوب (ایوبی) کے دور میں ان کے حکم سے ہوئی ان سے پہلے لوگ اپنے خلفاء پر السلام علی الامام الظاہر وغیرہ کہہ کر سلام کہتے تھے جبکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے عہد میں اس بدعت کو باطل کر کے اس کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کا حکم جاری کیا اسے اس پر جزاء خیر عطا ہو۔

اور اس کے مستحب ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

وافعلو الخیر۔ (پارہ 17، رکوع 17) ''اور نیک کام کرو''

اور معلوم و ظاہر ہے کہ صلوٰۃ و سلام فعل خیر و عبادت ہے۔ اور اس کی ترغیب پر احادیث وارد ہیں پس حق بات یہ ہے کہ اذان سے پہلے یا بعد صلوٰۃ و سلام بدعت حسنہ (ایک اچھی نئی بات) ہے جس کے کرنیوالے کو اس کی اچھی نیت کے باعث اجر و ثواب ہوگا۔

(القول البدیع صفحہ 196)

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 973ھ) چارسو سال پہلے کے وہ جامع شریعت وطریقت عارف باللہ اور محقق مذاہب اربعہ بزرگ ہیں۔ جو امام جلال الدین سیوطی، شیخ زکریا انصاری، شیخ محمد شنادی اور شیخ علی الخواص رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کے شاگرد ہیں آپ نے بھی امام سخاوی کی طرح سلطان ایوبی کا واقعہ لکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ سلطان عادل صلاح الدین نے روافض کے اپنے خلفاء پر سلام کی بدعت کو مٹا دیا اور اس کی بجائے مؤذنوں کو "الصلوٰة والسلام علیك یا رسول اللّٰه" پڑھنے کا حکم دیا اور شہروں اور دیہاتوں میں اس حکم کو نافذ فرمایا۔ اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ (کشف الغمہ صفحہ 78 باب الاذان)

امام احمد بن محمد ہیتی مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 974ھ) شارح مشکوٰۃ محدث کبیر مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور جلیل القدر امام اور بزرگ ہیں۔ آپ نے بھی امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کے موافق مضمون نقل کرنے کے بعد فرمایا:

ونعم مافعل فجزاه اللّٰه خیرا۔

"یعنی سلطان صلاح الدین نے نماز کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کا طریقہ جاری فرما کر بہت اچھا کیا۔ اللہ اسے جزاء خیر عطا فرمائے"۔

مزید فرمایا کہ صلوٰۃ بوقت اذان کی اصل سُنت اور کیفیت بدعت ہے۔ یعنی جس (نئے کام کی شریعت وسُنت میں اصل موجود ہو وہ اپنی نئی صورت و موجودہ کیفیت میں اصل سے تعلق کے باعث بدعت حسنہ کارِ خیر اور باعث ثواب ہوگا۔ جیسا کہ سلطان ایوبی کے متعلق بیان ہوا) مزید فرمایا کہ اذان سے پہلے جو سُنت اعتقاد کر کے درود پڑھے اسے منع کیا جائے۔ یعنی باعتقاد سُنت اذان سے پہلے درود ممنوع ہے اور اگر اس صورت کو سنت اعتقاد نہ کرے بلکہ مطلقاً نیت خیر کے طور پر پڑھے جیسا کہ اہلِسنّت پڑھتے ہیں منع نہیں۔

(فتاویٰ کبریٰ جلد 1/131)

☼ مُلّا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے بھی اپنے زمانے میں صلوٰۃ بوقت اذان کا ذکر فرمایا ہے اور اپنے استاذ محترم امام ابن حجر مکی کے موافق اس کی اصل سنت اور کیفیت بدعت لکھی ہے۔ (جس کی تفصیل مذکور ہوئی) (مرقاۃ صفحہ 423)

اسی طرح علامہ حصکفی نے درمختار میں علامہ شامی نے ردالمحتار میں علامہ عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں امام سیوطی نے حسن المحاضرہ میں علامہ حلبی نے سیرت حلبیہ میں علامہ نبہانی نے سعادۃ الدارین میں صلوٰۃ وسلام بوقت اذان کا ذکر فرمایا اور اسے بُری بدعت کہنے کی بجائے بدعتِ حسنہ قرار دیا۔ بفضلہ تعالیٰ اس تحقیق وتفصیل کی روشنی میں اذان سے پہلے اور بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا جواز واستحباب ثابت ہو گیا، جو عملاً اور ابتداء آٹھ سو سال سے زائد عرصہ سے مختلف مقامات پر جاری چلا آ رہا ہے۔ چونکہ اس طرح پڑھنا واجب وسنت نہیں۔ اس لیے ہمیشہ ہر جگہ اس کا التزام نہیں کیا گیا لیکن چونکہ یہ درود شریف ہے اس لیے اس کیفیت سے پڑھنا ناجائز بھی نہیں بلکہ جائز ومستحب ہے۔ لہٰذا اس کو بدعت وناجائز اور اذان میں اضافہ ومداخلت فی الدین قرار دینا بجائے خود ناجائز وغلط ہے کیا مانعین میں سلطان ایوبی اور دیگر ائمہ وعلماء کا کسی لحاظ سے بھی کوئی ہم پایہ وہم پلہ موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر "چھوٹا منہ بڑی بات" کہاں کی عقلمندی ہے۔ اگر کوئی اس طرح نہ پڑھے تو اس کی مرضی لیکن اس کی مخالفت تو سراسر زیادتی اور محرومی ہے۔ پڑھنے کا مطلق حکم ہے کہ

جب تک کسی معقول دلیل سے کسی پہلو کو ناجائز ثابت نہ کیا جائے۔ خود مانعین کے امام ابن قیم تلمیذ ابن تیمیہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے:

اثنو علیہ فی صلاتکم ومساجدکم وھو کل موطن۔

"اے ایمان والو! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا کرو (درود وسلام پڑھو) اپنی نمازوں میں مسجدوں میں اور ہر موقع وجگہ میں"۔ (جلاء الافہام صفحہ 290)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بلفظ تنبیہ فرمایا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام اوقات میں

درود و سلام مستحب و مستحسن ہے"۔ (مدارج صفحہ 324)

فقہ اسلامی کی مشہور و معتبر کتاب درمختار و ردالمحتار (1/382) میں ہے

ومستحبة فی کل اوقات الامکان حیث لا مانع۔

"ان تمام ممکن و جائز اوقات میں درود شریف مستحب ہے جہاں کوئی ممانعت نہیں"۔

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا کہ درود شریف ہر وقت و ہر حالت میں مستحب ہے۔ (سعادۃ الدارین صفحہ 195)

مخالف قرآن کریم اور ان سب تصریحات سے ممانعت ثابت کرے ورنہ پڑھنے والوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ درود شریف میں خیر و برکت اور بہتری ہی بہتری ہے۔ اور درود کی فضیلت اور ثواب پڑھنے والے کو حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کا حکم خداوندی اس بات کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر دنیا سے پردہ فرمانے کے باوجود بحیات حقیقی زندہ ہیں۔ آپ کو درود و سلام پہنچتا ہے جسے آپ سنتے اور وصول فرماتے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ پر درود و سلام کا حکم نہ فرماتا یا آپ کے پردہ فرمانے کی صورت میں اس کی ممانعت کر دی جاتی۔ مگر یہ حکمِ خداوندی مطلق و دائمی ہے اور اس سے آپ کی حیات و سماعت ثابت ہے۔ لہٰذا بصیغۂ خطاب بھی صلوٰۃ و سلام عرض کرنا جائز و ثابت ہے اور تفسیر روح المعانی میں **وسلموا تسلیما** کی تفسیر یہ فرمائی گئی ہے کہ **قولوا السلام علیك ایها النبی ونحوه** یعنی بصیغۂ خطاب و حاضر **السلام علیك ایها النبی** یا اس کی مثل **السلام علیك یا رسول الله، یا حبیب الله** پڑھو۔ پھر فرمایا: **هذا ما علیه اکثر العلماء الاجله**۔ اکثر اجل علماء کی یہی تفسیر و مسلک ہے۔ خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمانِ خداوندی کے موافق اپنی امت کو عین نماز و تشہد میں سلام کی تعلیم ہی بصیغۂ خطاب و حاضر سے فرمائی ہے جسے ہر نمازی پڑھتا ہے۔ **السلام علیك ایها النبی** (سلام ہو آپ پر اے نبی پاک) اگر اس میں کوئی شرک و بدعت والی بات ہوتی تو اور عین

نماز کی حالت میں ہرگز یہ تعلیم نہ دی جاتی اور جب نماز جیسی خاص عبادت میں رسول اللہ ﷺ کو ندا کے ساتھ سلام شرک و بدعت نہیں تو بیرون نماز نداء کے ساتھ صلوٰۃ وسلام کی ممانعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آذان:

اگر بوقت اذان صلوٰۃ وسلام اذان بلالی کے خلاف ہے۔ تو کیا لاوڈ اسپیکر میں اذان کہنا اذان بلالی کے خلاف نہیں؟ سپیکر میں اذان کی بدعت کو کیوں نہیں بند کیا جاتا کیا صرف درود ہی سے دشمنی ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے قبل پڑھا کرتے تھے:

اللهم انی احمدك و استعینك علی قریش۔ (ابوداؤد شریف 1/4)

اگر اذان سے پہلے یہ کلمات بدعت و اضافہ نہیں تو صلوٰۃ وسلام کے لیے فتویٰ کیوں ہے؟ اور پھر مانعین اذان بلالی کی موافقت کے لیے اذان سے قبل یہ دُعا اور اسپیکر کے بغیر اذان کیوں نہیں پڑھتے؟ حدیث مشہور ہے کہ حالت مرض میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بعد اذان حاضر ہو کر عرض کیا: **السلام علیك یا رسول اللّٰہ الخ** (سیرت حلبیہ صفحہ 487) اور یہ بھی اذان کے ساتھ سلام پڑھنے کی اصل اور موافقت ہے۔

جس طرح تمام اوقات میں درود پڑھنا اور ندا و خطاب کرنا جائز و ثابت ہے اسی طرح نماز کے علاوہ کسی بھی لفظ کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی پابندی نہیں۔ علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات (صفحہ 26) میں فرمایا: جس طرح بھی درود پڑھے لفظ صلوٰۃ کے ذکر کے بعد وہ درود ہے۔ اور امام سخاوی نے فرمایا: جمہور کے نزدیک جس لفظ سے بھی صلوٰۃ (درود) کا مفہوم و مراد ادا ہو جائز ہے۔

(القول البدیع صفحہ 64)

الحمدللہ! آیت مبارکہ کی روشنی میں تصریحات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ درود

شریف میں وقت اور الفاظ وجگہ کی کوئی پابندی نہیں۔ درود شریف جب پڑھا جائے اور جن الفاظ سے پڑھا جائے، سب جائز ہے۔ (آمدم برسرِ مطلب)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کا ہر حکم بجالائے:

مفسرینِ کرام نے اللہ تعالیٰ کے سورۂ نجم میں اس ارشاد

وابراھیم الذی وفی۔ (النجم:37)

"اور ابراہیم (علیہ السلام) جو کہ پورے احکام بجالایا"۔

کے بارے میں کہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو بھی حکم الٰہی ہوا آپ اس کو من وعن بجالائے اور ایمان کے جملہ خصائل وشعبہ جات پر قائم ودائم رہے اور امرِ الٰہی کی بجا آوری کی خاطر چھوٹی چھوٹی مصلحتوں کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے تھے نہ تو بڑے بڑے کام انہیں مشغول رکھتے تھے اور نہ ہی بڑی بڑی مصلحتیں اور مصروفیتیں چھوٹی چھوٹی باتوں کو فراموش کرنے دیتی تھیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عزرائیل علیہ السلام:

حضرت عبید ابن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت ہی مہمان نواز تھے ایک دن کسی انسان کی تلاش کیلئے نکلے تا کہ اسے مہمان بنا سکوں لیکن اتفاق سے کوئی آدمی بھی نہ ملا، واپس گھر تشریف لے آئے دیکھا تو گھر میں کوئی اجنبی آدمی کھڑا ہے۔ پوچھا: اوہ بندۂ خدا! بلا اجازت میرے گھر میں تم کیسے داخل ہوئے؟

اجنبی آدمی: میں الٰہ العالمین کی اجازت سے داخل ہوا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: تم کون ہو؟

اجنبی (ملک الموت): میں ملک الموت ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: تم کس لیے آئے ہو؟

ملک الموت: مجھے رب العالمین نے اپنے ایک بندے کی جانب بھیجا ہے تا کہ

میں اسے خوشخبری سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنالیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: وہ (خوش قسمت) انسان کون ہے؟ قسم بخدا اگر تم مجھے اس کے بارے آگاہ کردو تو خواہ وہ دنیا کے آخری کنارے پر کیوں نہ ہوا میں تادم آخریں اس کا ہمسایہ بنا رہوں گا۔

ملک الموت: حضرت وہ خوش قسمت تو آپ ہی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: (خوشی اور تعجب کے ملے جلے جذبات میں فرمانے لگے) میں......؟

ملک الموت: جی ہاں! آپ ہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام: میری کون سی ادا پسند آئی جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل منتخب فرمایا؟

ملک الموت: بلاامتیاز وتفریق آپ کی عطاؤں کے دروازے لوگوں پر کھلے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک مہمان:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب گلستان میں ایک حکایت درج فرمائی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا معمول تھا کہ مہمان نہ آتا تو کھانا نہ کھاتے۔ ایک مرتبہ کوئی مہمان نہ آیا تو تلاش کرنے نکلے، قبرستان میں ایک بے حد ضعیف اور بوڑھا شخص ملا اسے لے کر گھر آئے دستر خوان بچھا کر اسے کہا: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" پڑھ کر کھاؤ، اس نے کہا: میں اللہ کو نہیں مانتا میں آگ پرست ہوں اللہ کا نام کیسے لوں۔ آپ نے فرمایا: "پھر چلے جاؤ کھانا نہیں ملے گا"۔ بعد میں وحی آئی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ابراہیم! تم نے اس بوڑھے کو کھانا کیوں نہیں کھلایا؟" عرض کی: مولا! وہ تجھے نہیں مانتا تھا۔ اللہ نے فرمایا: "پیارے خلیل! وہ مجھے نہیں مانتا مگر میں نے اس کی روزی آج تک نہیں بند کی وہ بوڑھا ہو گیا اور میں اسے رزق دیئے جا رہا ہوں اور تم نے ایک روٹی کھلانے سے انکار کر دیا"۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب ... گبرو ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم ... تو کہ بادشمناں نظر داری

ابراہیم علیہ السلام اور تعمیر کعبہ:

رب العالمین جل وعلا کے ارشادات عالیہ کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

واذ بوانا لابراھیم مکان البیت...... کل فج عمیق۔(الحج:26،27)

''اور جبکہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اس گھر کا ٹھکانہ ٹھیک بتادیا اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر ستھرا رکھ، طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع وسجدے والوں کیلئے اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر کہ ہر دور کی راہ سے آئی ہے''۔

مزید فرمایا:

ان اول بیت وضع للناس...... علی العالمین۔(آل عمران:96،97)

''بے شک سب میں پہلا گھر جو (لوگوں کی خاطر عبادت کیلئے) مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا رہنما اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور اللہ کیلئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے اور جو منکر ہو تو اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے''۔

مزید فرمایا:

واذابتلی ابراھیم ربہ...... انت العزیز الحکیم۔(البقرہ:124 تا 129)

''اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔ فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ عرض کی اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا اور (یاد کرو) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کیلئے مرجع وامان بنایا اور ابراہیم علیہ السلام کے

کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع و سجود والوں کیلئے۔ اور جب عرض کی ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب! اس شہر کو امان والا کر دے اور اس کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے جو ان میں سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں۔ فرمایا اور جو کافر ہو تھوڑا برتنے کو اسے بھی دوں گا۔ پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کر دوں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی۔ اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم علیہ السلام اس گھر کی نیویں (بنیادیں) اور اسمٰعیل علیہ السلام، یہ کہتے ہوئے اے رب ہمارے! ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی ہے سنتا جانتا۔ اے ربّ ہمارے! اور کر ہمیں اپنے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بے شک تو ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔ اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول، انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے"۔

اللہ تبارک تعالیٰ اپنے بندے، رسول، منتخب، خلیل، باطل دین سے جدا ہونے والوں کے امام و پیشوا اور انبیاء کرام کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قدیم گھر بیت اللہ کی تعمیر کی اور یہ پہلی عبادت گاہ ہے جسے عوام الناس کی خاطر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریزی کیلئے تعمیر کیا گیا اور اس کی رہنمائی اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خود عطا فرمائی تھی، امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وحی الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیم

علیہ السلام کو رہنمائی ملی تھی۔

کعبۂ ابراہیمی اور بیت المعمور:

کعبۃ اللہ اور بیت المعمور (فرشتوں کا کعبہ جو کہ آسمانوں میں ہے) آپس میں اس طرح ہیں کہ اگر بیت المعمور گرے تو سیدھا کعبۃ اللہ پر گرے گا اور ایسے ہی ساتوں آسمانوں پر عبادت خانے ہیں بعض بزرگانِ دین کا کہنا ہے کہ ہر آسمان میں ایک کعبہ ہے وہاں کی مخلوق اس کعبہ میں عبادتِ الٰہی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ آسمانوں میں بیت المعمور کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسی روئے زمین پر کعبۃ اللہ کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکمِ الٰہی ہوا کہ اہلِ زمین کیلئے بالکل ویسا ہی کعبہ تعمیر کرو جیسا آسمان کے ملائکہ کیلئے بیت المعمور ہے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت کعبۃ اللہ کیلئے جس جگہ کا تعین کیا گیا اس متعین جگہ کی رہنمائی بھی اللہ جل شانہ نے فرمادی۔ صحیحین میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو حرمت وعزت والا بنادیا تھا تاقیامِ قیامت اللہ کی حرمت کی وجہ سے یہ شہر قابلِ احترام واعزاز رہے گا۔

امام ابن کثیر کی تحقیق یہ ہے کہ کسی حدیث میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے کہ کعبۃ اللہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے **واذ بوانا لابراھیم مکان البیت** سے استدلال کیا ہے کہ وہاں پہلے سے عمارت موجود تھی وہ صحیح نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ علمِ الٰہی اور قدرتِ الٰہیہ میں وہ جگہ مقرر تھی اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جملہ انبیاء کرام کے نزدیک قابلِ تعظیم وتکریم تھی۔

رہ گیا یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس مقام پر ایک قبہ سا تعمیر فرمایا تھا اور فرشتوں نے انہیں عرض کی تھی کہ ہم اس سے پہلے اس گھر کا طواف کر چکے ہیں اور کشتی نوح بھی چالیس دن تک اس کا طواف کرتی رہی وغیرہ وغیرہ لیکن یہ ساری باتیں بنی اسرائیل سے

مروی ہیں نہ تو قابلِ تصدیق ہیں اور نہ ہی قابلِ تکذیب اور نہ ہی ان سے استدلال کیا جاسکتا ہے ہاں البتہ اگر قرآن پاک ان کی تردید کردے تو یہ مردود ہیں۔

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام جب تعمیر کعبہ فرما رہے تھے تو روئے زمین کے بادشاہ ذوالقرنین کا وہاں سے گزر ہوا تو اس نے پوچھا کہ تمہیں اس کی تعمیر کا کس نے حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ جل شانہ نے۔ ذوالقرنین نے کہا کہ آپ کے قول پر مجھے آگاہی کیسے ہو سکتی ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کی شہادت پانچ مینڈھوں نے دی۔ ذوالقرنین مینڈھوں کی گواہی سن کر دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے۔ ازرقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر ذوالقرنین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔

تعمیرِ کعبہ کے مراحل:

خانہ کعبہ ایک عرصہ تک تو انہیں بنیادوں پر قائم رہا جن پر حضرت ابراہیم نے تعمیر فرمایا تھا۔ پھر جب تعمیر کی ضرورت محسوس کی گئی تو قریش نے شام کی جانب شمالی حصہ سے کعبہ کے کچھ حصہ کو کم کر دیا جو آج تک ویسے ہی ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! کیا تو نہیں دیکھتی جب تمہاری قوم نے تعمیر کعبہ کی ضرورت محسوس کی تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اٹھائی ہوئی بنیادوں سے کم کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کی: یا رسولِ خدا! آپ اسے دوبارہ انہیں بنیادوں پر قائم کیوں نہیں فرما دیتے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہاری قوم ابھی نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی (تو میں ایسا ہی کرتا)۔

ایک دوسری روایت میں ہے اگر تمہاری قوم نئی نئی زمانہ جاہلیت سے نہ نکلی ہوتی (تو میں ایسا ہی کرتا) یا فرمایا کہ اگر تمہاری قوم زمانہ کفر سے نئی نئی نکلی نہ ہوتی تو میں کعبۃ اللہ کے خزانوں کو راہِ خدا میں تقسیم کر ڈالتا۔ اس کے دروازے کو زمین کے برابر کر دیتا اور حجر کو کعبہ میں داخل کر دیتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور گورنری میں کعبہ کی تعمیر انہیں بنیادوں پر فرمادی جن کا اشارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا اور اس کی نشاندہی آپ کی خالہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کی تھی۔

حجاج بن یوسف نے تہتر ہجری میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور عبدالملک بن مروان نے حکم جاری کر دیا کہ کعبہ کو دوبارہ اسی طرح تعمیر کر دیا جائے جس طرح قریش نے کیا تھا۔ سو کعبۃ اللہ کی شامی دیوار کو گرادیا گیا۔ اس کے اندر سے حجر اسود نکال دیا پھر دیوار کو بند کر دیا اور کعبہ کے اندرونی حصہ کو پتھروں سے پر کر دیا۔ مشرقی دروازہ کو بلند کر کے مغربی دروازے کو مکمل طور پر بند کر دیا جیسا کہ اب صورت حال ہے۔

پھر جب کعبہ کی تعمیر میں ردوبدل کرنے والوں کو علم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نشاندہی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق کیا تھا تو اپنے کیے پر نادم و شرمسار ہوئے اور اظہارِ افسوس کرنے لگے کہ کاش اسے اسی حالت میں رہنے دیتے تو کس قدر اچھا تھا۔ جب مہدی بن منصور کا دورِ خلافت آیا تو اس نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے مشورہ طلب کیا کہ آیا میں تعمیر کعبہ پھر اسی انداز میں کرادوں جس طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کی تھی تو حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ مجھے ڈر ہے کہ آنے والے خلفاء اس کو کھیل بنالیں گے ہر خلیفہ اپنی مرضی سے اس کی تعمیر شروع کر دے گا لہٰذا تم اسے اپنی حالت پر برقرار رہنے دو تو اب وہی تعمیر ہے جو عبدالملک بن مروان کے دور میں ہوئی۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کو تعمیر کعبہ کا حکم صادر فرمایا تو انہیں معلوم نہ تھا کہ تعمیر کعبہ کیلئے کون سی جگہ مختص ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جسے خجوج کہا جاتا ہے اس ہوا کے دو پر اور ایک سر تھا اور وہ شکل و صورت میں سانپ کی سی تھی اس ہوا نے کعبہ کے گرد و نواح کو صاف کر دیا اور عبادت کیلئے تعمیر کیے جانے والے پہلے گھر کی بنیادیں ظاہر ہو گئیں چنانچہ کدال لے کر دونوں کھودنے

لگے اور کعبۃ اللہ کی دیواروں کو اٹھانے لگے۔

کعبۃ اللہ میں شعائر اللہ کا تذکرہ:

''فیہ آیٰت بینٰت'' (اس میں کھلی نشانیاں ہیں) یعنی اس پر کہ جناب ابراہیم علیہ السلام جو کہ بعد میں آنے والے انبیاء کرم کے والد اور اپنی اولاد میں سے ان لوگوں کے جنہوں نے آپ کی اقتدا کر کے اور آپ کے طریقہ پر عمل پیرا ہو کر باطل دینوں سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ان کے امام و پیشوا کی تعمیر ہے۔

مقام ابراہیم علیہ السلام:

ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ یعنی مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ فرما رہے تھے کہ کعبہ کی دیواریں بلند ہو گئیں تو آپ نے مزید انہیں بلند کرنے کیلئے اس پتھر کو استعمال فرمایا۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اسے کعبۃ اللہ کی عمارت کو مزید بلند کرنے کیلئے لا کر رکھا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک کعبہ کی دیوار سے متصل اپنی اسی قدیم جگہ پر جہاں اسے استعمال کیا گیا تھا پڑا رہا پھر آپ نے اسے دیوار سے تھوڑا سا ہٹا دیا تا کہ طواف کعبہ کرنیوالے اور اس کے نزدیک نماز ادا کرنیوالوں کیلئے باعث رکاوٹ نہ ہو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے کئی اقوال کی تصدیق و تائید اللہ جل شانہ نے فرمائی ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کاش مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لیتے، اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرما دیا کہ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلّٰى۔اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات اس پتھر پر اب تک موجودہ محفوظ ہیں۔جناب ابو طالب اپنے مشہور و معروف قصدیہ لامیہ میں فرماتے ہیں:

وَثَوْرٍ ومن ارسٰی ثبیراً مکانہ   وراق لسبر فی حراء و نازلِ

وبالبیت حق البیت من بطن مکة — وباللہ ان اللہ لیس بغافلِ

وبالحجر المسود اذ یمسحونه — اذا اکتفوه بالضحی ولا صائلِ

وموطی ابراهیم فی الصخر رطبه — علیٰ قدمیه حافیا غیر ناعلِ

1- جبلِ ثور اور اس ذات کی قسم جس نے ثبیر پہاڑ کو اس کی جگہ پر استوار کیا اور قسم ہے اس ذات کی جو حراء میں چڑھتا اُترتا ہے۔

2- وادی مکہ المکرمہ میں بیت اللہ موجود ہے اور قسم بخدا اللہ تعالیٰ اس سے غافل و بے خبر نہیں ہے۔

3- حجرِ اسود کی قسم جسے لوگ چومتے اور شام و سحر جس کا طواف کرتے ہیں۔

4- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات پتھر میں تازہ ہیں اور بغیر جوتے کے برہنہ پا ہیں۔

یعنی آپ کے معزز و متبرک قدم پتھر میں ثبت ہیں بغیر جوتے کے برہنہ قدموں کا عکس بن گئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسماعیل۔

"اور جب ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام اس گھر کی بنیادیں بلند کر رہے تھے"۔

تو دونوں بارگاہِ الٰہی میں عرض کر رہے تھے۔

ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔

"اے رب ہمارے! ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے، جاننے والا ہے"۔

یہ ان دونوں باپ بیٹے کے خلوص و اطاعتِ الٰہی کی انتہا کی شہادت ہے کہ وہ دونوں اس سمیع و علیم ہستی کے حضور عرض گزار ہیں کہ ان کی مساعیٔ جمیلہ اور اطاعتِ عظمیہ کو قبول فرمائے۔

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امة مسلمة لك وارنا مناسکنا وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔ (البقرہ:127)

"پھر عرض کی: اے رب ہمارے اور کر ہمیں اپنے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار رہے اور ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع فرما بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے"۔

مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے آب و گیاہ وادی میں شرف و تعظیم سے بھرپور زمین کے ٹکڑے پہ عظمت و شرف والی مسجد کو تعمیر کیا اور اپنے اہل خانہ کیلئے برکتوں سے بہرہ ور ہونے کی دعا کی کہ الٰہ العالمین یہاں پانی کی قلت اور درخت، کھیتیاں اور پھل نہ ہونے کے باوجود انہیں پھلوں کے رزق سے مالا مال کردے اور اس جگہ کو قابلِ احترام اور باعثِ امن بنادے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا وہی خدا لائق حمد وثنا ہے اور اسی کے حضور ہی التجائیں ہیں کہ جس نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول فرما کر ان کی طلب پر انہیں عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

اولم یروا انا جعلنا حرما اٰمنا ویتخطف الناس من حولھم۔
(عنکبوت:67)

"اور کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے حرمت والی زمین جائے پناہ بنائی اور ان کے آس پاس والے لوگ اچک لیے جاتے ہیں"۔

اولم نمکن لھم حرما اٰمنا یجبیٰ الیه ثمرات کل شیٍٔ رزقا من لدنا۔ (القصص:57)

"کیا ہم نے انہیں جگہ نہ دی امان والے حرم میں جس کی طرف ہر چیز (موسم) کے پھل لائے جاتے ہیں۔ ہماری پاس کی روزی"۔

حجرِ اسود:

جب کعبۃ اللہ کی بنیادیں بلند ہوگئیں اور رکن تک پہنچ گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے کہا: بیٹے کوئی خوبصورت پتھر لے کر آؤ جسے میں

یہاں نصب کروں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کی ابا جان! میں تھکاوٹ کی وجہ سے سست ہو چکا ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اچھا میں لے کر آتا ہوں۔ آپ چل پڑے، حضرت جبرائیل علیہ السلام ہند سے حجرِ اسود لے کر آئے جو کہ اس وقت شتر مرغ کے پروں کی طرح سفید یاقوت کا تھا جسے حضرت آدم علیہ السلام اپنے ساتھ جنت سے لے کر آئے تھے۔ لوگوں کی خطاؤں کو چوسنے کی وجہ سے اب یہ سیاہ ہو چکا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ایک اور پتھر لے کر رکن کے پاس پہنچے تو پتھر کو موجود پا کر عرض کی: اے میرے والدِ گرامی! یہ پتھر کون لے کر آیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وہ جو تجھ سے ہوشیار و چست تھا دونوں تعمیر کعبہ بھی فرما رہے تھے اور بارگاہِ الٰہی میں یوں دعا بھی کر رہے تھے:

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔

"اے رب ہمارے! تو قبول فرما ہماری طرف سے بیشک تو ہی ہے سنتا جانتا"۔

ابراہیم علیہ السلام کا وصال پُر ملال اور مزار پُر انوار:

امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابنِ عساکر نے اہلِ کتاب میں سے بہت سے بزرگوں سے جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس حضرت عزرائیل علیہ السلام کے آنے کو مختلف انداز میں ذکر کیا ہے۔ اللہ ہی کو معلوم کہ کہاں تک درست ہے۔

مذکور ہے کہ حضرت داؤد، اور سلیمان علیہما السلام کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی موت اچانک ہی آئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت کے حوالے سے اہلِ کتاب وغیرہ نے جو کہا ہے وہ اس کے خلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیمار ہوئے اور ایک سو پچھتر سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا اور ایک قول نوے سال کا بھی ہے اور اسی پست زمین میں اپنی زوجہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے جوار میں دفن ہوئے جو زمین آپ نے حبرون بستی میں عفرون الحيثی سے چار سو درہم میں خریدی تھی۔ حضرت اسحٰق و اسمٰعیل علیہما السلام نے آپ کے کفن و دفن کا انتظام و انصرام فرمایا تھا۔

ابن کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دو سو سال حیات رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا روضہ مبارک آپ کے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور آپ کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے مقبرے کی اس عمارت میں ہیں جسے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے شہر حبرون میں تعمیر کیا اور وہ شہر آج تک خلیل کے نام سے معروف ہے اور یہ بات گروہ در گروہ بنی اسرائیل سے ہمارے زمانہ تک تواتر سے چلی آ رہی ہے۔ یہ بات محقق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا روضہ مبارک وہی ہے (شہر حبرون میں) لیکن اس کا تعین کرنا کہ فلاں جگہ پر ہے اس بارے کوئی صحیح خبر نہیں ہے۔ مناسب و ضروری ہے کہ اس ساری جگہ کے ہی ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھا جائے اور اس کو وقار وعزت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور کاشتکاری سے اعراض کیا جائے کہ کہیں نیچے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا آپ کی اولاد میں سے کسی نبی کی قبر مبارک نہ ہو۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے روضہ انور کے قریب ایک پتھر پر یہ اشعار کندہ ہیں:

الھی جھولا املہ — یموت من جآء اجلہ

ومن دنا من حنفہ — لم تغن عنہ حیلہ

وکیف یبقٰی آخر — من مات عنہ اولہ

والمرء لا یحصبہ — فی القبر الا عملہ

1- جس کو توقعات نے ان جہالتوں کی نظر کر دیا جب اس کی اجل آئی تو وہ مر جائے گا۔

2- اور جو اپنی موت کے قریب ہوا کوئی حیلہ اسے موت سے بے نیاز نہیں کر سکتا۔

3- بعد میں آنیوالا کیسے باقی و زندہ رہ سکتا ہے جبکہ پہلے والا شخص آغوشِ موت میں جا چکا ہے۔

4- قبر میں اعمال کے سوا کوئی چیز انسان کے ساتھ نہیں ہوگی۔

ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات:

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واذابتلٰی ابراهیم ربه بکلمات فاتمهن۔ (البقرہ:124)

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام کو اُن کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے وہ باتیں پوری کر دکھائیں۔

قال انی جاعلك للناس اماما۔

(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہیں لوگوں کا امام وپیشوا بنانے والا ہوں۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین۔ (البقرہ:131)

جب (بھی) اس (ابراہیم علیہ السلام) کے رب نے اس کو کہا: گردن جھکا دے تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے عرض کیا:

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

میں نے سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے اپنا سر جھکا لیا۔

اگرچہ ابراہیم علیہ السلام کی ساری عمر ہی آزمائشوں میں گذری ہے اور فاتمھن کا کلمۂ قرآنی بتا رہا ہے کہ آپ ہر آزمائش میں پورا اترے اور ہر امتحان سے سو فیصد نمبر حاصل کر کے کامیاب وکامران ہوئے تاہم آپ کی آزمائشوں میں سے صرف تین امتحانات کا ذکر خیر کیا جا رہا ہے اور ان تینوں امتحانون کا تذکرہ قرآن پاک کے مختلف مقامات پہ موجود ہے۔

1- نمرودی آگ میں رضائے الٰہی کیلئے کود جانا۔
2- بڑھاپے میں ملنے والی اولاد کو بے آب وگیاہ جنگل میں چھوڑ آنا۔
3- بیٹے کی قربانی کا نذرانۂ محبت بارگاہِ رب العزت میں پیش کر دینا۔

ان تینوں آزمائشوں کو قدرے تفصیل سے پڑھ کر قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ

علامہ اقبال نے کس تناظر میں یہ شعر کہا ہے:

؎ آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

حضرت ابراہیم کا پہلا امتحان

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین...... تا......

وارادو بہ کیدا فجعلنٰھم الاخسرین۔ (الانبیاء: 51 تا 70)

"اور بیشک ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی اور ہم اس سے خبردار تھے۔ جب اس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے (جھکے پڑے) ہو بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا، (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا بے شک تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو؟ کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر تو ان سب کو چورا (ریزہ ریزہ) کردیا مگر ایک کو جوان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں بولے کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے ان میں سے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو انہیں برا کہتے سنا جسے ابراہیم کہتے ہیں بولے! تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں۔ بولے! کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم؟ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے پوچھو اگر بولتے

ہوں تو اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بے شک تمہیں ستم گر ہو۔ پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ بولے: ان (ابراہیم علیہ السلام) کو جلادو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔ ہم نے فرمایا: اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا"۔

سورۂ الصافات میں ارشاد ہوتا ہے:

وان من شیعته لابراهیم...... تا...... فجعلنٰهم الاسفلین۔

(آیت 83 تا 98)

"اور بیشک اسی کے گروہ سے ابراہیم ہے جب کہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل لے کر جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو کیا بہتان سے اللہ کے سوا اور خدا چاہتے ہو تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین پر۔ پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونیوالا ہوں تو وہ اس پر پیٹھ دے کر پھر گئے پھر ان کے خداؤں کی طرف چھپ کر چلا تو کہا کیا تم نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہوا کہ نہیں بولتے تو لوگوں کی نظریں بچا کر انہیں داہنے ہاتھ سے مارنے لگا تو کافر اس کی طرف جلدی کرتے آئے۔ فرمایا: کیا اپنے ہاتھوں کے تراشے کو پوجتے ہو اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو بولے اس کیلئے ایک عمارت چنو پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو انہوں نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی تو ہم نے ان ہی کو نیچا دکھا دیا۔ (آگ کو گلزار بنا کر ان کا داؤ ناکام بنا دیا)۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر:

سورۃ الانبیاء اور سورۃ صافات کی مندرجہ بالا آیات بینات کے ترجمہ کے بعد اختصار کے ساتھ ان آیات کی تفسیر اور اپنی قوم کو ناصحانہ انداز میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی تبلیغ کے واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے خبر دی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو صنم پرستی سے روکا اور قوم کے سامنے بتوں کی تحقیر و توہین اور ان کی تنقیص بیان کی انہیں جھنجوڑتے ہوئے کہا:

ما ھذہ التماثیل التی انتم لھا عاکفون۔

''یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے ہو''۔

یعنی ان کے سامنے جھکے پڑے اور سراپا عجز و نیاز بنے ہوئے ہو۔ قوم نے کہا:

وجدنا آباء نا لھا عابدین۔

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا''۔

ان کے پاس باپ دادا کے اس عمل شنیع کے علاوہ اور کوئی دلیل نہ تھی اسی دلیل کی بنیاد پر ہی وہ شرک جیسا قبیح عمل کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

لقد کنتم انتم و آباء کم فی ضلل مبین۔

''بیشک تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو''۔

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے:

اذ قال لابیہ وقومہ ماذا تعبدون ء افکا آلھۃ دون اللہ تریدون فما ظنکم برب العالمین۔

''جب (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے فرمایا تم کیا پوجتے ہو کیا بہتان سے اللہ کے سوا اور خدا چاہتے ہو تو تمہارا کیا گمان ہے رب

العالمین کے بارے میں"۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم غیروں کو پوجتے ہو جب تم رب العالمین سے ملاقات کرو گے کیا خیال ہے کہ پھر وہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے منطقی انداز میں بات کرتے ہوئے فرمایا:

هل يسمعونكم اذ تدعون او ينفعونكم او يضرون قالوا بل وجدنا آباء نا كذالك يفعلون۔ (الشعراء:72 تا 74)

"کیا تمہاری وہ سنتے ہیں جب تم پکارو یا کچھ تمہارا بھلا برا کرتے ہیں بولے! بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا"۔

قوم اس بات کا اقرار و تسلیم کر چکی تھی کہ واقعی یہ معبودانِ باطلہ نہ تو کسی کی فریاد کو سنتے ہیں اور نہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت و طاقت رکھتے ہیں فقط آباؤ اجداد کی اقتداء ہی انہیں بتوں کے پوجنے پر آمادہ کئے ہوئے تھی ان کے آباؤ اجداد جیسا بھی کوئی جاہل مطلق ہوگا؟

حضرت ابراہم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا:

افرء يتم ما كنتم تعبدون انتم وأباء كم الا قدمون فانهم عدو لى الا رب العالمين۔ (الشعراء:75 تا 77)

"تو کیا تم دیکھتے ہو یہ جنہیں پوج رہے ہو تم اور تمہارے اگلے باپ دادا بیشک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگار عالم"۔

قوم جن بتوں کو پوجتی تھی ان کے معبودانِ باطلہ ہونے پر آپ کا یہ کلام دلیل قطعی کی حیثیت رکھتا ہے آپ نے ان سے بیزاری کا اظہار فرمایا ان کی تنقیص کی اگر ان میں نقصان دینے یا اثر اندازی کی قوت ہوتی تو وہ ضرور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اپنا داؤ پیچ چلا لیتے۔

قوم نے جواباً کہا:

اجئتنا بالحق ام انت من اللعبين۔ (انبیاء:55)

''کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یوں ہی کھیلتے ہو''۔

یہ جو تم ہمیں ارشاد فرماتے ہو اور ہمارے بتوں کی تحقیر و تنقیص بیان کرتے ہو اور ان کی پوجا کے سبب ہمارے آباؤ اجداد پر طعن و تشنیع کرتے ہو کیا یہ برحق ہے یا محض لہو ولعب؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

قال بل ربکم رب السمٰوات والارض الذی فطرھن وانا علٰی ذالکم من الشّٰھدین۔ (انبیاء:56)

''بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا جس نے انہیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں''۔

یعنی میں جو بھی تمہیں فرمارہا ہوں یہ بالکل برحق ہے تمہارا معبود وہ اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمہارا بھی پالنہار ہے اور کائنات عالم کی ہر چیز کا بھی رب ہے آسمان وزمین کو اس نے بغیر کسی سابقہ مثال ونمونہ کے پیدا فرمایا ہے وہی وحدہٗ لاشریک مستحق عبادت ہے اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔

کافروں کا تہوار اور بتوں کی شامت:

وتاللّٰہِ لا کیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین۔

''اور مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا براچاہوں گا بعد اس کے کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر''۔

یعنی جب تم اپنی عید کا تہوار منانے کیلئے چلے جاؤ گے تو جن معبودانِ باطلہ کی تم پوجا کرتے ہو میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ان کا ستیاناس کردوں گا۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قوم کے بعض لوگوں نے یہ کلام سن لیا تھا ان کے ہاں یہ معمول تھا کہ وہ ہر سال عید کا تہوار منانے کیلئے شہر سے باہر جمع ہوتے تھے آپ کے والد نے کہا کہ آؤ عید منانے چلیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو بیمار

ہونے والا ہوں۔

فنظر نظرة فی النجوم فقال انی سقیم۔

''پھر اس (ابراہیم علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا پھر کہا میں بیمار ہونیوالا ہوں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کلام میں ایک ایسا انداز اپنایا جس سے اپنے مقصد یعنی توہین معبودانِ باطلہ اور تائید دین الٰہیہ پر پہنچ سکیں اور وہ معبودانِ باطلہ جن کی پرستش پر قوم کمر بستہ تھی انہیں اس طرح کیفرِ کردار تک پہنچا دیں جس کے وہ مستحق ہیں ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے اور انتہا درجے کی تذلیل و توہین کی جائے۔ سو جب قوم اپنی عید کا تہوار منانے کیلئے شہر سے باہر نکل گئی تو آپ وہیں ٹھہر گئے۔ فراغ الی آلھتھم پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے خداؤں کی طرف چھپ کر چلے یعنی آپ چھپ کر اور بڑی تیزی سے بت خانے کی طرف تشریف لے گئے وہاں جا کر ملاحظہ فرمایا کہ بت تو بڑی خوبصورتی کے انداز میں ہے اور قسم ہا قسم کے کھانے ان کے سامنے بطور ہدیہ موجود ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بطور اہانت انہیں کہا:

الا تاکلون مالکم لا تنطقون فراغ علیھم ضربا بالیمین۔

''کیا تم نہیں کھاتے تمہیں کیا ہوا کہ نہیں بولتے تو لوگوں سے نظریں بچا کر انہیں داہنے ہاتھ سے مارنے لگے''۔

کیونکہ دایاں ہاتھ زیادہ قوت والا، سختی سے پکڑنے والا، زیادہ تیز اور زیادہ قہر والا ہوتا ہے آپ کے ہاتھ میں جو کلہاڑا تھا اس کے ساتھ بتوں کو توڑ دیا۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: **فجعلھم جذاذاً** ''تو ان سب کو چورا کر دیا''۔ یعنی مکمل طور پر توڑ دیا۔

الا کبیراً لھم لعلھم الیہ یرجعون۔ (انبیاء:57)

''مگر ایک کو چھوڑ دیا جو ان سب سے بڑا تھا، شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں''۔

منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کلہاڑا بڑے بت کے ہاتھ میں دے دیا یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ بڑے بت نے غیرت کا مظاہرہ کیا ہے کہ اس کی موجودگی میں چھوٹے بتوں کو کیوں پوجا جاتا تھا۔ جب قوم عید منا کر واپس پلٹی تو دیکھا کہ ان کے معبودان کے بھرکس نکل چکے ہیں۔

قالوا من فعل ھذا بالھتنا انه لمن الظالمین۔

''بولے! کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے''۔

قوم کی حماقت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل میں ان کے لیے ظاہری طور پر دلیل موجود تھی اگر قوم کے پاس عقل کا ذرہ ہوتا تو وہ سوچتے کہ وہ معبود جنہیں وہ پوجتے تھے ان پر اتنی بڑی آفت نال ہوئی کہ وہ ریزہ ریزہ ہوگئے۔ اگر واقعی یہ معبود ہیں تو جس نے اسے تکلیف پہنچائی اس سے اپنا دفاع کیوں نہ کر سکے لیکن اس فہم وادراک کے برعکس اپنی جہالت، کم عقلی، کثرت ضلالت اور احمقانہ سوچ کی بنا پر کہنے لگے کس نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بیشک وہ ظالم ہے۔

قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال له ابراھیم۔ (الانبیاء:60)

''اس قوم میں سے کچھ بولے ہم نے ایک نوجوان کو انہیں برا کہتے سنا جسے ابراہیم کہتے ہیں''۔

یعنی جوان بتوں کے عیب اور نقص بیان کرتا اور انہیں ذلیل وحقیر سمجھتا ہے وہی انہیں توڑنے کا پختہ عہد کرسکتا ہے۔

قالوا فاتوا به علیٰ اعین الناس لعلهم یشهدون۔
"(قوم کے لوگ) بولے تو اسے لوگوں کے سامنے لاؤ شاید وہ گواہی دیں"۔
یعنی ایک عظیم اجتماع میں انہیں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ لوگ اس کی باتوں پر شہادت دیں اس کے نقطۂ نظر کو سنیں اور ان کے معبودوں پر جو آفت نازل کی اس پر قصاص کے طور پر کچھ لاگو کر کے اپنے بتوں کی مدد کریں۔

قوم لاجواب ہوگئی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقاصد و عزائم میں سے ایک عظیم مقصد یہ بھی تھا کہ کہیں ایسا موقع میسر آئے جہاں بتوں کے سارے پجاری جمع ہوں اور ان کے سامنے بتوں کے بطلان پر دلائل دیئے جائیں ایسا ہی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

موعدکم یوم الزینة وان یحشر الناس ضحی۔(طٰہٰ:59)
"کہ تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے جمع کیے جائیں"۔
جب سارے لوگ جمع ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی لے آئے تو انہوں نے کہا:

ءَ انت فعلت هذا بالهتنا یا ابراهیم قال بل فعله کبیرهم هذا۔(انبیاء:62،63)
"کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم؟ آپ نے فرمایا: بلکہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا"۔
ایک معنی اس کا یہ بھی کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بڑے بت نے مجھے ان بتوں کے توڑنے پر برانگیختہ کیا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

فسئلوهم ان کانوا ینطقون۔
"تو ان سے پوچھو اگر بولتے ہیں"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام کا مقصد یہ تھا کہ قوم خود اس بات کی طرف مائل ہو جائے گی کہ یہ تو بولتے نہیں پھر اعتراف کر لیں گے کہ یہ بھی دوسرے پتھروں کی طرح محض ایک پتھر ہی ہیں۔

فرجعوا الیٰ انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون۔

''تو اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بیشک تم ہی ستم گار ہو''۔

یعنی ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے بیشک تم تو ظالم ہو کہ ان بتوں کے پاس کوئی محافظ و چوکیدار بھی نہ چھوڑ کر گئے۔

ثم نکسوا علیٰ رؤسھم۔(انبیاء:65)

''پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے''۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھر وہ اپنے اسی دین کی طرف پلٹ گئے جس پر وہ کاربند تھے جیساکہ ان کے اس قول سے معلوم ہو رہا ہے۔

انکم انتم الظالمون۔

''تم ان کی عبادت کرنے میں ظالم ہو''۔

جبکہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کلام سن کر ورطہ حیرت میں ڈوب گئی یعنی سرنگوں ہو گئے اور کہا:

لقد علمت ما ھؤلاءِ ینطقون۔

کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں اے ابراہیم جب خوب جانتے ہو تو پھر تم ہم سے ایسا سوال کیوں کرتے ہو؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں فرمایا:

افتعبدون من دون اللّٰہ مالا ینفعکم شیئا ولا یضرکم اف لکم ولما تعبدون من دون اللّٰہ افلا تعقلون۔(انبیاء:66،67)

''تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے اور نہ نقصان پہنچائے تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں''۔

فاقبلوا الیہ یزفون تو کافر اس کی طرف جلدی کرتے آئے۔ **قال اتعبدون ما تنحتون**۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اپنے ہاتھ کے تراشوں کو پوجتے ہو یعنی تم ان بتوں کے سامنے جبین نیاز جھکانا کیسے گوارا کر لیتے ہو؟ جنہیں تم خود لکڑی اور پتھروں کو تراش کر بناتے ہو اور جیسا جی میں آتا ہے ان کی شکلیں اور صورتیں بنا لیتے ہو۔ **واللہ خلقکم وما تعملون**۔ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو ماتعملون میں ما مصدریہ ہو یا بمعنی الذی (اسم موصول) مقتضائے کلام یہی ہوگا کہ تم بھی مخلوق ہو اور یہ بت بھی مخلوق ہیں تو ایک مخلوق اپنے جیسی دوسری مخلوق کی کیسے عبادت کر سکتی ہے اگر تم ان کی عبادت کرتے ہو تو یہ کوئی اس سے بڑا کمال نہیں کہ وہ تمہاری عبادت کریں یعنی چاہے تم ان کی عبادت کرو یا وہ بت تمہاری عبادت کرنا شروع کر دیں یہ دونوں عمل برابر ہیں اور تمہارا بغیر کسی وجہ کے ایک دوسرے کی عبادت کرنا باطل وفضول ہے۔ خالقِ کائنات اور وحدہٗ لاشریک ذات کے سوا کسی چیز کی بھی عبادت کرنا مردود و نامقبول ہے۔

قالوا ابنو الہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم فارادوا بہ کیدا فجعلنھم الاسفلین۔ (صافات:97،98)

"بولے! اس کیلئے ایک عمارت چنو پھر اسے بھڑکتی آگ میں ڈال دو تو انہوں نے اس پر داؤ چلانا چاہا ہم نے انہیں نیچا دکھایا"۔

جب مجادلے اور مناظرے سے مغلوب ہو گئے اور ان کے پاس کوئی حجت اور کوئی شبہ نہ رہا جسے اپنی قوت و بادشاہی پر پیش کر سکتے کہ جس کے ذریعے اس عمل کیلئے مدد لے سکیں جس عمل پر اپنی حماقت اور سرکشی سے گامزن تھے اللہ جل جلالہٗ نے انہیں عاجز کر دیا اور اپنے دین، کلمہ اور برہان کو غالب فرما دیا۔

اور آگ جلادی گئی:

قالوا حرقوہ وانصروا آلھتکم ان کنتم فعلینo قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علیٰ ابراھیمo وارادوا بہ کیدا فجعلنھم

الاخسرین O (انبیاء:68تا70)

"(قوم کے لوگ) بولے ان کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے ہم نے فرمایا اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا"۔

قوم نے اس عظیم منصوبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا آغاز یوں کیا کہ کفار کو اپنی طاقت واستطاعت کے مطابق لکڑیاں جمع کرتے کرتے ایک عرصہ لگ گیا۔اسی دوران اگر کوئی عورت بیمار ہو جاتی تو نذر مانتی کہ اگر صحت یاب ہو جائے تو ابراہیم علیہ السلام کو بھسم کرنے کیلئے آگ کے آلاؤ میں لکڑیوں کا گٹھا لا کر ڈالے گی پھر قوم نے ایک بہت بڑا گھڑا کھودا اور ساری لکڑیاں اس گھڑے میں ڈال کر انہیں آگ لگادی آگ بھڑکنے لگی اور اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔آگ کے انگاروں کی بلندی کا عالم یہ تھا کہ روئے زمین پر ایسی آگ کبھی نہ دیکھی گئی۔

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں اٹھا کر ڈالنے کا مسئلہ تھا چنانچہ اس کیلئے انہوں نے ایک منجنیق تیار کیا منجنیق کی تیاری کی خدمات ہزن نام کے ایک شخص سے لی گئی جس کا تعلق اکراد سے تھا۔روئے زمین میں یہ پہلا شخص تھا جس نے منجنیق تیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کے اندر دھنسا دیا اور قیامت تک اس طرح تسلسل کے ساتھ زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔پھر ان کافر لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشکیں کس دیں۔اس دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کلمات کو اپنی زبان سے ادا فرما رہے تھے۔**لا الہ الا انت سبحانک لک الحمد ولک الملک ولا شریک لک۔** جب ابراہیم کی مشکیں کس کے منجنیق میں ڈال دیا تو سب نے مل کر حضرت ابراہیم کو اٹھا کر آگ میں پھینک دیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: **حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔**

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ نے اس وقت یہ کلمات ارشاد فرمائے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی

کلمات حسبنا اللہ ونعم الوکیل اس وقت کہے تھے جب کفار نے آپ کو دھمکی دی تھی۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء۔

”وہ جن لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس (کافی) ہے اور کیا اچھا کارساز ہے تو پلٹے اللہ کے احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی“۔

یاد رہے! کہ اس امتحان کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک صرف سولہ سال تھی۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن ابراہیم علیہ السلام کو نظرِ آتش کیا گیا۔ اس آگ کی سلامتی کی برکت سے روئے زمین کی ہر آگ ٹھنڈی ہوگئی تھی کسی شخص نے بھی اس دن آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔یعنی روئے زمین کی ہر آگ نے سمجھا کہ مجھے ٹھنڈا ہونے کا حکم دیا جارہا ہے اگر علی ابراھیم نہ فرمایا ہوتا تو قیامت تک ہر آگ ٹھنڈی رہتی۔اور سلاماً نہ فرمایا جاتا تو آگ اتنی ٹھنڈی ہوجاتی کہ ابراہیم علیہ السلام کو (ٹھنڈک سے) نقصان پہنچادیتی۔(عن ابن عباس وابی العالیہ)

جس رسی سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مشکیں کسی گئی تھیں اس کے سوا کوئی چیز بھی نہ جلی۔(تفسیرِ مظہری 208/6)

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے چہرے پر پسینے کے سوا اور کوئی گزند آپ کو نہ پہنچی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے رخِ انور کے پسینہ کو صاف فرماتے رہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کے تاثرات:

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ سایہ کرنے والا فرشتہ بھی سائے کی طرح آپ کے ساتھ

تھا۔ایک ایک میل تک آگ ہی آگ تھی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں سرسبز وشاداب گلشن میں تشریف فرما تھے لوگ اس عجیب منظر کو دیکھ رہے تھے نہ تو لوگ وہاں تک پہنچنے پر قادر تھے اور نہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے پاس آرہے تھے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب سے بہترین کلمہ آپکے باپ (چچا) کا وہ تھا جو انہوں نے اپنے بیٹے کو آگ کے شراروں سے محفوظ و مامون دیکھ کر کہا تھا کہ

نعم الرب ربك يا ابراهيم۔

''اے ابراہیم! تیرا رب بہترین پروردگار ہے''۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی والدہ محترمہ نے جب آگ کے آسمان بوس شعلوں کو گل وگلزار بنتے دیکھا تو پکارنے لگی: اے میرے لختِ جگر! اے میرے نورِ نظر! میں تیرے پاس آنا چاہتی ہوں۔اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ وہ مجھے آگ کی تپش سے محفوظ کرلے۔آپ نے فرمایا: آجائیں۔والدہ چل پڑیں انہیں بھی آگ نے نہ چھوا، جب قریب پہنچیں تو بیٹے کو گلے لگالیا، پیشانی کو چوما پھر واپس پلٹ آئیں۔(قصص الانبیاء)

خلاصۂ تفاسیر:

مختلف تفاسیر میں ابراہیم علیہ السلام کے اس عظیم امتحان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اجمعوا له اصلاب الحطب من اصناف الخشب مدة شهر (مظهری) اربعين يوما (روح المعانی) حتى كان الرجل يمرض فيقول لئن عافانی الله لا جمع حطبا لابراهيم۔

تفسیر مظہری کے مطابق ایک مہینہ اور روح المعانی کے مطابق چالیس دن تک ہر قسم کی لکڑیاں اکٹھی کی گئیں اور یہ کام سرکاری طور پر بھی ہوا اور پوری عوام اور حکومت نے اپنا مذہبی فریضہ سمجھ کر بھی یہ ذمہ داری نبھائی۔کیونکہ بندہ بیمار ہوتا تو نذر مانتا کہ اگر اللہ

نے مجھے شفادی تو میں بھی ابراہیم کو جلانے کیلئے لکڑیاں اکٹھی کروں گا۔ یہاں تک کہ چرخہ کاتنے والی بوڑھی عورت نے بھی اپنی کمائی کا کچھ حصہ اس مہم کیلئے مختص کر دیا۔

لیکن شاید وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ:

؎ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سبحان اللہ! ایک جان ہے اور دشمن سارا جہان ہے۔ سارا جہاں ابراہیم کو مٹانا چاہتا ہے مگر رب جہان اپنے خلیل کو بچانا چاہتا ہے اور پھر ہوا وہی جو خدا نے کہا اور کیوں نہ ہو **فعال لما یرید۔ یفعل ما یشاء** بھی تو اللہ ہی کی شان ہے۔

؎ وہ جس کو خدا نے بڑھایا ہے
کوئی اور گھٹانا کیا جانے

تفسیر کبیر زیر آیت **فقالوا ابنوا له بنیانا 150/26** میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کیلئے جو آگ جلائی گئی اور اس آگ کیلئے جو چاردیواری بنائی گئی اس کی بلندی تیس ذراع یعنی پنتالیس فٹ تھی اور چوڑائی بیس ذراع یعنی تیس فٹ اور لمبائی بھی تیس ذراع تھی۔

لیکن سبحان تیری قدرت! امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آگ میں جا کر خلیل اللہ علیہ السلام کو صرف پسینہ آیا جس کو جبریل علیہ السلام صاف کرتے رہے۔

(بحوالہ تذکرۃ الانبیاء وقصص الانبیاء)

جانوروں کا کردار:

یہ تو انسانوں کی حالت تھی اب جانوروں کا حال بھی سن لیجئے۔

قال کعب الاحبار جعل کل شئی یطفئ عنه النار الاالوزغة فانه ینفخ فی النار۔

گرگٹ (کرلے، چھپکلی) کے علاوہ ہر جانور آگ کو بجھانے کی فکر میں تھا چنانچہ

صحیح بخاری کی روایت ہے:

ان الوزغ کان ینفخ فی النار۔

گرگٹ پھونکیں مار رہا تھا تا کہ آگ اور جلے اور خلیل اللہ جل جائیں۔

اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا:

اقتلوا الوزغة ولو فی جوف الکعبة۔

گرگٹ کو مار دیا کرو اگرچہ کعبہ کے اندر ہی (چھپا بیٹھا) ہو۔ (اور آپ ﷺ نے اس کو فویسق یعنی بُری چیز قرار دیا)

اس بارے میں مزید روایات اس طرح ہیں کہ:

حضرت ام شریک رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول مکرم نور مجسم ﷺ نے گرگٹ کے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کیلئے جلائے جانے والی آگ پر پھونکیں مارتا تھا۔ (بخاری، مسلم)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گرگٹ کو مار ڈالو کیونکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے جلائی جانے والی آگ پر پھونکیں مارتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو مار دیا کرتی تھیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنی مسند میں حضرت نافع کے توسط سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے ایک نصب شدہ نیزہ دیکھا عرض کی یہ نیزہ کس مقصد کیلئے ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم اس کے ساتھ گرگٹ مارتے ہیں پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی کہ محبوب انس و جان ﷺ کا فرمان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو تمام چوپائے آگ کو بجھانے میں کوشاں تھے سوائے گرگٹ کے کہ وہ پھونکیں مار کر اسے مزید سلگاتا تھا۔

ادھر ہُد ہُد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دور دریا پہ جاتا پانی کا قطرہ چونچ میں لاتا اور آگ کے بہت اوپر جا کر پانی گراتا (کیونکہ آگ کے اوپر بھی کافی فاصلہ تک جو

پرندہ اڑتا ہوا گذرتا جل کر گر جاتا اور مر جاتا کیونکہ ہمارے ہاں ایک گھنٹہ بھی کہیں آگ لگی رہے تو پوری فائر بریگیڈ کا عملہ ناکام ہو جاتا ہے وہ تو پھر چالیس دن جلتی رہی)

ہُدہُد پرندے کا انعام:

اگرچہ گرگٹ کی پھونکوں سے آگ میں اضافہ نہیں ہو رہا تھا اور ہد ہد کے پانی ڈالنے سے آگ میں کمی نہیں ہوگئی تھی مگر شاید انما الاعمال بالنیات کا قانون عظمت رسالت کے حوالے سے جانوروں پہ بھی لاگو ہوتا ہے کہ گرگٹ کی وہ سزا جو آپ پڑھ چکے ہیں اور ہدہد کی حُسن نیت پر اس کو اس انعام سے نوازا گیا کہ

1- اس کا ذکر قرآن پاک میں آگیا اور بڑے باشعور پرندے کے طور پر کیونکہ یہی ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہنے لگا:

احط بمالم تحط به وجئتك بسبأ بنبأ يقين۔

"مجھے ایک ایسی بات معلوم ہوئی ہے جس پر شاید آپ بھی مطلع نہ ہوں اور میں آپ کے پاس ملک سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں"۔

2- اس کے سر پہ تاقیامت تاج سجا کر اس کو دیگر تمام پرندوں سے ممتاز کر دیا گیا۔

3- اس کو سلیمان علیہ السلام کے دربار کا مقرب ترین پرندہ ہونے کی سعادت حاصل رہی۔

4- دوسرے پرندے آگ کے اوپر سے گذرتے تو جل جاتے مگر یہ سلامت رہتا اور نبی کی خدمت کی ڈیوٹی سرانجام دیتا رہا۔

5- اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی نظر عطا فرمادی ہے کہ جتنی بلندی پر بھی اڑ رہا ہو۔ زمین میں کتنی ہی گہرائی پانی ہو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں پانی ہے اور اتنا گہرا ہے۔

ہے سوچنے کی بات اسے بار بار سوچ:

جب ایک جانور (غیر مکلف پرندہ) ایک نبی (خلیل اللہ علیہ السلام) کا احترام کرتا ہے تو اس کو اس قدر انعامات سے نوازا جاتا ہے تو اشرف المخلوقات انسان ہو کر اگر امام

الانبیاء علیہ السلام کی بارگاہ کا احترام کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے انعامات سے کس قدر نوازا جائے گا۔

اور جب ایک جانور (گرگٹ) بارگاہِ نبوت کے بارے میں بدنیت ہو جاتا ہے تو اس کو معاف نہیں کیا جاتا تو کوئی بدبخت انسان اگر نبیوں کے سردار کی شان میں بدنیت ہو جائے بلکہ کھلی گستاخی کا مرتکب ہو جائے اور پھر توبہ بھی نہ کرے بلکہ گستاخی پہ ڈٹا رہے تو ایسا گستاخ عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کیسے کروا سکتا ہے۔

؎ بہت سادہ سا ہے اپنا اصول زندگی کوثر
جو ان سے بے تعلق ہے ہمارا ہو نہیں سکتا

جب جانور کو خلیل کی گستاخی پر تا قیامت نہیں چھوڑا جائے گا تو کوئی انسان ہو کر بلکہ مسلمان کہلا کر بلکہ مفسر و محدث کہلا کر حبیب اللہ کی گستاخی کرے تو اس کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے اور

؎ یہ دعوائے مسلمانی کبھی مانا نہ جائے گا

چنانچہ جیسا کہ گذر چکا کہ منجنیق میں ڈال کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا کیونکہ آگ کا الاؤ اس قدر شدید تھا کہ قریب تو کوئی کھڑا ہی نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا شیطان نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ منجنیق کے ذریعے یہ کام کیا جائے۔ جب خلیل اللہ علیہ السلام آگ میں جانے کی تیاری فرما رہے تھے تو زمین و آسمان و مافیہا اور فرشتوں کی حالت کیا تھی، اس بارے میں تفاسیر کے اندر یوں لکھا ہوا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا:

تو زمین و آسمان پہ لرزہ طاری ہو گیا بلکہ چیخیں نکل گئیں۔

فصاحت السمٰوات والارض وما فیھما من الملائکۃ وجمیع الخلق الا الثقلین۔

انسانوں اور جانوروں کے علاوہ (کیا زمین اور کیا آسمان، کیا فرشتے اور کیا دیگر

مخلوق) سب کی چیخیں نکل گئیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرنے لگے:

ربنا ابراهيم خليلك يلقى في النار وليس في الارض احد يعبدك غيره۔

اے ہمارے پروردگار! ابراہیم علیہ السلام تو تیرا پیارا (خلیل) ہے اور آگ میں ڈالا جا رہا ہے حالانکہ (تو علی کل شئی قدیر ہے اور پھر) اس کے علاوہ زمین پر تیری عبادت کرنے والا بھی کوئی نہیں۔

(ہم کس دن کیلئے بنائے گئے ہیں) تو ہمیں اجازت دے ہم تیرے خلیل کی مدد کریں۔

فقال اللّٰه عزوجل انه خليلي وليس لي خليل غيره وانا له اله وليس له اله غيري۔

"پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک وہ (ابراہیم) میرا خلیل ہے اور اس کے علاوہ کوئی میرا خلیل نہیں (واتخذ اللّٰه ابراهيم خليلا) اور میں اس کا معبود ہوں اور میرے سوا کوئی اس کا معبود نہیں"۔

اگر میرا خلیل تم سے مدد چاہے تو کرو (مجھے کوئی اعتراض نہیں) ورنہ! **فخلوا بيني وبينه۔** میرے اور اس کے درمیان سے ہٹ جاؤ (کہ یہ معاملۂ عشق و محبت اور راز خلّت ہے) پھر کیا ہوا؟

فرشتوں کی خدمات:

فلما ارادوا القائه في النار۔ جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کا ارادہ کیا۔ **اتاه خازن المياه۔** پانی کا فرشتہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا: کیسے آئے ہو؟

فقال ان اردت اخمدت النار۔ اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں (دریا کو آگ پر الٹا دوں) آگ بجھا دوں؟

واتاه خازن الرياح۔ پھر ہواؤں پر مقرر فرشتہ حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا:

ان شئت طیرت النار بالھواء۔
اگر آپ چاہیں تو میں پوری آگ کو ہوا میں اڑا دوں؟
فقال لاحاجۃ لی الیکم۔ ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بے نیازی سے فرمایا:
تمہارے ساتھ تو مجھے کوئی کام ہی نہیں (میرا معاملہ تو سیدھا میرے رب سے ہے)
حسبی اللہ ونعم الوکیل۔
"مجھے میرا اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے"۔
اگر وہ بچا کر راضی ہے تو میں بچ کر راضی ہوں اور اگر وہ جلا کر راضی ہے تو میں جل کر راضی ہوں۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو
جاں اس کی دی ہوئی ہے، لینے میں کیا گلا ہو

جبریل امین علیہ السلام آتے ہیں:

اپنی رعایا کے بعد سید الملائکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام بارگاہِ خلیل علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا ابراھیم الک حاجۃ؟
"اے پیارے خلیل! اگر کوئی حاجت ہو تو بتائیں"۔
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اما الیک فلا۔ اے جبریل! جہاں تک تیری بات ہے تو تیرے ساتھ مجھے کوئی حاجت نہیں۔
قال ربک۔ عرض کیا: خدا کی بارگاہ میں کچھ عرض کرنا ہے تو فرمائیں (کہ میں وہاں تک جا سکتا ہوں جہاں کوئی بھی نہیں جا سکتا)
ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:
حسبی بسؤالی علمہ بحالی۔
"اس کا علم میرے حال کیلئے کافی ہے"۔

یعنی سوال کیے بغیر ہی میرا مولا میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ اس کا کتنا خوبصورت ترجمہ اس شعر میں کیا گیا ہے۔

جانتا ہے وہ میرا رب جلیل
آگ میں پڑتا ہے اب اس کا خلیل

جبریل علیہ السلام کی اس بات کا جواب معراج کی رات حضور علیہ السلام نے یوں دیا کہ جب جبریل علیہ السلام نے سدرہ پہ پہنچ کر آگے جانے سے یہ کہہ کر معذرت کرلی: لو دنوت انملة لاحترقت۔

اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم
کہ اگر ایک انگلی کا ایک پورا (بال برابر بھی) آگے بڑھوں گا تو جل کر راکھ ہوجاؤں گا۔

سرکار نے فرمایا: اے جبریل! تو نے میرے دادا ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا کہ تو وہاں جاسکتا ہے جہاں کوئی بھی نہیں جاسکتا۔ تو پھر سن لے کہ آج میں وہاں جاسکتا ہوں جہاں تو بھی نہیں جاسکتا۔

ماہ عرب کے جلوے اونچے نکل گئے
خورشید و ماہتاب مقابل سے ٹل گئے

نکتے کی بات:

ابراہیم علیہ السلام اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیلئے خود ہی ہاتھ اٹھا دیتے تو ناجائز تو نہیں تھا کیونکہ اپنے رب سے ہی مانگنا تھا اور پھر دعا تو مخ العبادہ (عبادت کی جان) ہے؟

لوگ یہ تو بڑی جلدی کہہ دیتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کا وسیلہ پکڑنا اور اُن سے بھی مدد لینا گوارا نہ کیا لیکن یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے (اس موقع پہ) تو خدا سے بھی دعا نہیں مانگی۔ تو کیا فرشتوں سے مانگنا ناجائز ہے تو رب سے مانگنا

تو جائز ہے ناں؟ حالانکہ فرشتے بھی تو اللہ کی مدد ہی ہیں کیا میدان بدر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی مدد فرشتوں سے ہی نہیں فرمائی تھی؟

ولقد نصرکم اللّٰہ ببدر وانتم اذلة۔ ان یمدکم ربکم بثلثه الف من الملائکة منزلین۔ یمدد کم ربکم بخمسه الاف من الملائکة مسومین۔ (ال عمران)

انی ممدد کم بالف من الملائکة مردفین۔ (الانفال)

اور پھر اسی مدد کے بارے میں فرمایا:

وما النصر الامن عنداللّٰہ۔ (الانفال)

یہ فرشتوں کے ذریعے مدد اللہ ہی کی مدد ہے۔ کیونکہ

وما نتنزل الا بامر ربك۔ فرشتے تو رب کی اجازت سے ہی اترتے ہیں۔

لا یعصون اللّٰہ ما امرھم۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بھلا فرشتوں سے مدد کیوں مانگیں جب کہ وہ اپنے رب سے بھی کچھ نہیں مانگ رہے۔ فرشتے تو پھر مرتبے اور مقام کے لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام سے کم درجہ ہیں تو اعلیٰ ادنیٰ سے کیوں مدد طلب کرے۔

دراصل بات یہ ہے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام کے مقام توکل علی اللہ کی پہچان کرانا مقصود تھی۔ اور پھر یہ امتحان تھا اور امتحان میں اگرچہ اللہ کی بارگاہ میں رونا دھونا اور اس سے مدد طلب کرنا جائز ہے لیکن جب امتحان ہی خدا کی طرف سے ہے؟ اور وہ بھی اس انداز سے کہ **واذ ابتلی ابراھیم ربه** تو اگر محض دعائیں کر کے پاس ہو جاتے تو وہ بات نہ بنتی جواب بنی ہے اور اب کیا بنی ہے

کہ اے ابراہیم! اگر تو کچھ نہیں کہتا تو ہم خود ہی کچھ کہہ دیتے ہیں۔

قلنا ینار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم۔

اور یہی حال ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا تھا کہ وہاں بھی وناد ینه

ان یا ابراھیم۔ اور ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! قد صدقت الرؤیا۔ تو نے خواب کو سچا کر دکھایا۔

اور ایسا کیوں نہ ہو کہ امام الانبیاء کا نور مبارک باپ بیٹے کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ بلکہ یوں کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ راہنمائی فرمارہا تھا۔ قلنا یا نار کونی فرما کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ آگ ابراہیم علیہ السلام کی خواہش پر نہیں بجھائی گئی وہ تو صرف ہماری رضا کے طلبگار تھے آگ تو ہمارے حکم سے بجھ رہی تھی۔

اسی لیے فرمایا گیا: فاتمھن۔ ابراہیم علیہ السلام نے امتحانات (کلمات) کو پورا پورا نبھایا اور حق ادا کر دیا۔ اور ثابت کر دیا کہ واقعی خلیل وہ ہوتا ہے کہ جس کے دل میں سوائے خدا کے کسی کی محبت نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کی رو سے اللہ کا خلیل صرف ایک ہی ہے اور وہ کون ہے؟

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا۔

یاد رکھو کہ پیارے خلیل نے فرشتوں کے ذریعے اس لیے مدد نہ لی کہ خلیل اللہ کا وسیلہ نہ جبریل بن سکتا ہے نہ کوئی اور اگر خلیل اللہ کا وسیلہ کوئی بن سکتا ہے تو حبیب اللہ ہی بن سکتا ہے۔

آگ میں نظارہ:

جب کافر لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال رہے تھے اور ابراہیم علیہ السلام اپنی زبان پاک سے یہ الفاظ ادا فرماتے ہوئے آگ کے شعلوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ **لا الٰہ الا انت سبحانك لك الحمد ولك الملك لا شریك لك۔** اے اللہ! تو ہی معبود برحق ہے تیرے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں تو پاک ہے۔ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور تیری ہی بادشاہی ہے اللہ تعالیٰ نے اُس آگ کے اندر گلستان سجادیا اور ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا جیسا کہ تفاسیر میں ہے۔

فاذا عین ماء عذب و وردا حمر ذی حُسن۔

فرشتوں نے منجنیق سے نکلتے ہی اللہ تعالیٰ کے پیارے خلیل کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور آگ کے اندر ایسی جگہ بٹھا دیا کہ جہاں پانی کا چشمہ بھی تھا۔ گلاب، نرگس اور چنبیلی کے خوبصورت پھول بھی تھے۔ چنانچہ آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ چالیس یا پچاس دن جو میں آگ میں رہا میری زندگی کے بہترین دن تھے اور جتنی ان دنوں عیش کی ہے ساری زندگی نہیں کی۔ کاش میری ساری زندگی ایسی ہی ہو جاتی۔ (عن منھال بن عمر بحوالہ قصص الانبیاء)

اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بشکل انسانی ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیج دیا جو آپ کے ساتھ رہا اور آپ کا دل بہلاتا رہا اور جبریل امین علیہ السلام آپ کے پاس ایک جنتی ریشمی رومال لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے محبوبوں پہ آگ اثر نہیں کر سکتی۔

چنانچہ جن رسیوں سے آپ کا جسم مبارک جکڑا گیا تھا وہ تو جل گئیں اور ان کے جلنے سے بھی آپ کو ذرہ برابر تکلیف نہ ہوئی اور آپ کا ایک ایک بال بھی جلنے سے محفوظ رہا۔

یہ سارا نظارہ نمرود بھی اپنے محل کی چھت پر چڑھ کر دیکھ رہا تھا اس کو آگ میں باغیچہ بھی نظر آ گیا پھول بھی دیکھ لیے اور فرشتہ بشکل انسانی بھی دکھائی دیا اور یہ سب کچھ دیکھ کر پکار اُٹھا۔ **یا ابراھیم کبیر الٰھك**۔ اے ابراہیم تیرا معبود بہت بڑا ہے۔ جس کی قدرت میں اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ آگ سے باہر آیئے۔ میں آپ کے رب کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ نمرود نے اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کو سزا نہ دینے کا ارادہ کر لیا اگرچہ خود کفر پر قائم رہا اور چار ہزار گائے ذبح کر کے رب کا قرب حاصل کرنا چاہا۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اگر تو چار لاکھ گائے بھی ذبح کر دے تو جب تک میری پیروی نہیں کرے گا کچھ بھی قبول نہیں لیکن نمرود نے کہا:

لا استطیع ترك ملکی۔

''میں (آپ کی پیروی کر کے) اپنی حکومت نہیں چھوڑ سکتا''۔

اس عظیم واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ایک ہزار کافر نے ابراہیم علیہ السلام کا کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو کر دین ابراہیمی پر کاربند ہو گئے۔ جبکہ ابراہیم علیہ السلام کی کل امت

پانچ ہزار تھی اور پوری قوم چھ لاکھ تھی۔ (تفسیر نعیمی پارہ 13)

تفسیر کبیر اور روح المعانی میں اس آیت (قلنا ینار ......) کے تحت لکھا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے سلامتی کے ساتھ نکل آئے اور آگ نے ان کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے آگ پہ جادو کر دیا ہے چنانچہ تجربے کیلئے ایک بوڑھے شخص کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا گیا تو آگ نے اس کو جلا کر راکھ کر دیا۔

اسی طرح ایک شخص نے کہا کہ ابراہیم کو آگ نے اس لیے نہیں جلایا کہ من اجل قرابتی منه۔ وہ میرے قریبی رشتہ دار تھے۔

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت آگ نے آگے بڑھ کر اس کو پکڑ لیا اور جلا کر کوئلہ کر دیا کہ ابراہیم تمہاری وجہ سے نہیں بلکہ تم ان کی وجہ سے بچے ہوئے تھے۔

چار مقامات پہ جبریل علیہ السلام کا زمین پہ بہت جلدی آنا۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام چار مرتبہ چار مقامات پہ زمین کی طرف بہت جلد تشریف لائے۔

1- جب یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے جا رہے تھے کنویں میں لٹکا دیا گیا۔ رسی کو کاٹ دیا گیا تو حکم ہوا: اے جبریل! ہاں رب جلیل۔ فرمایا: کنویں کی تہہ میں پہنچنے سے پہلے میرے یوسف کے قدموں کے نیچے جنت کا تخت لے جا کر رکھ دے۔

2- اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کیلئے لٹا دیا گیا۔ چھری حلق پہ رکھ دی گئی تو حکم ہوا کہ چھری کے چلنے سے پہلے جنت سے دنبہ بھی لے جا اور چھری کیلئے میرا حکم بھی لے جا کہ خبردار جو میرے اسمٰعیل کا ایک بال بھی کاٹا تو۔

3- میدان احد میں حضور علیہ السلام کا دانت مبارک شہید ہوا اور سر مبارک زخمی ہوا تو خون کا قطرہ زمین کی طرف گرنے لگا تو حکم ہوا کہ میرے محبوب کا خون زمین پر نہ گرنے پائے (تا کہ زمین جل نہ جائے یا پھر سبزہ ہی نہ اُگائے)

4- چوتھا موقع یہ تھا کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق کے ذریعے آگ کی طرف پھینک دیا گیا اور جبریل کو حکم ہوا جبکہ وہ سدرہ پر آرام فرماتے تھے، پھر وہاں سے چل پڑے اور آگ میں پہنچنے سے پہلے جنت کا تخت بھی لے آئے اور آگ کو اللہ کا حکم بھی پہنچایا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم۔

(علامہ عینی کی عبارت کا خلاصہ)

الغرض! کفار نے بدلہ لینا چاہا مگر شکست وریخت اور رسوائی سے دوچار ہوئے، عروج چاہا ذلیل ولئیم بنے، غالب ہونا چاہا مغلوب ومقہور ہو گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ (الانبیاء:80) انہوں (کفار) نے اس (ابراہیم علیہ السلام) کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا۔ (سورۃ الصافات میں ہے) فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ہم نے انہیں نیچے دکھایا۔ دنیوی زندگی میں کفار پستی و خسارہ میں کامیاب وکامران ہوئے اور اخروی زندگی میں آتشِ جہنم ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی نہ ہوگی اور نہ ہی انہیں سلام وبرکات میسر آئیں گی۔ بلکہ لِقَوْلِهٖ تعالٰی اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مَقَامًا۔ (الفرقان:66) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بیشک جہنم بہت ہی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور جن کا برا چاہ رہے تھے ان کا کیا بنا؟ ان کا یہ بنا کہ

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

ثلث کذبات کی بحث:

سوال: قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو صدیق کہا گیا ہے انه کان صدّیقا نبیا۔ (مریم:41) پھر آپ نے خود ہی بت توڑے اور خود ہی فرمایا: بل فعله کبیرھم۔ "یہ (بتوں کو توڑنا) اس بڑے بت کا کام ہے"۔ کیا یہ شانِ صدیقیت کے خلاف نہیں؟

نمبر 2۔ جب قوم نے آپ کو تہوار پہ جانے کو کہا تو آپ نے فرمایا: انی سقیم۔ "میں تو بیمار ہوں"۔ لہٰذا تمہارے ساتھ تہوار منانے نہیں جا سکتا۔ کیا یہ جھوٹ نہیں اور

ابراہیم تو نبی ہیں اور نبی گناہوں سے معصوم ہوتا ہے اور جھوٹ تو کبیرہ گناہ ہے۔

جواب: سوال کے پہلے حصے کا جواب یہ ہے کہ آپ نے بت کا عجز ثابت کرنے کیلئے اور اس کی توہین کیلئے اپنے کام کی نسبت اس کی طرف کی جس طرح ایک بہت عمدہ لکھنے والے نے کوئی شی لکھی اور دوسرا شخص جو لکھنا جانتا ہی نہیں وہ پاس بیٹھا ہو اور کوئی تیسرا شخص جو اچھے خطاط کے فن کا منکر ہو اور لکھنے سے نابلد شخص کا اندھا عقیدت مند ہو کہ اس کے خلاف بات سننا بھی گوارا نہ کرتا ہو اس خطاط سے پوچھے کہ یہ کس نے لکھا ہے؟ اور خطاط جواب میں اس کے ممدوح کی طرف اشارہ کر کے کہے اس نے لکھا ہے۔ تو سائل سمجھ جائے گا کہ لکھنے کی نسبت اس کی طرف کیوں کی جارہی ہے۔ (صرف توہین کیلئے)

ابراہیم علیہ السلام نے بھی تعریضاً ایسا فرمایا تا کہ بتوں کی بے بسی اور حق کا بول بالا ہو۔ اور تعریضاً کلام کرنا جائز ہے کہ بظاہر فعل ایک کا ہو اور نسبت دوسرے کی طرف کر دی جائے۔

- یا آپ نے بطور سبب بڑے بت کی طرف نسبت فرمائی کیونکہ وہ بڑا بت ہی آپ کے غیض وغضب میں بتوں کو توڑ دینے کا سبب بنا وہ چونکہ سب سے بڑا تھا اور اس کی عبادت وتعظیم بھی سب سے زیادہ کی جاتی تھی۔ جب اس کا عجز ظاہر ہو گیا تو باقیوں کی بے بسی خود بخود ظاہر ہو جائے گی کہ جب بڑا کچھ نہیں کر سکتا تو چھوٹے کیا کر سکتے ہیں۔
- یا آپ نے ان کے باطل عقیدے کی زبان میں ان کو جواب دیا کہ تم یہ کام بڑے بت سے اتنا عجیب کیوں سمجھ رہے ہو کیا جس کو تم سب سے بڑا معبود جانتے ہو وہ یہ کام نہیں کر سکتا؟
- یا اس کا مطلب یہ ہے بل فعله من فعله، هٰذا فسئلوهم۔ یہ کام جس نے بھی کیا بہر حال کیا، ان کا بڑا یہ ہے اس سے پوچھ لو۔ کیونکہ آپ نے اپنے کرنے کی نفی تو نہیں فرمائی۔ یعنی فعله پر وقف کیا جائے اور هٰذا کو فسئلوهم کے ساتھ متعلق کیا جائے تو معنی یہ ہوگا جس نے بھی کیا ہے۔ اس بڑے سے

پوچھ لو۔

✿ یا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نبی چونکہ اپنی قوم میں سب سے بڑا ہوتا ہے اسی لیے کبیرھم فرمایا اور ھم ضمیر ذوی العقول کیلئے ہے۔ اگر کبیرھا ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ بتوں میں سب سے بڑا ہو اب معنی ہوگا کہ تمام لوگوں میں سب سے بڑا اور وہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

اور جھوٹ سے بچنے کیلئے بطور تعریض کلام کرنے کی اجازت ہر دور میں موجود رہی ہے اور قرآن پاک میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً:

ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء۔ (البقرہ:235)

(عدت والی عورتوں کو) تعریضاً دعوت نکاح دینے میں تم پر کوئی حرج نہیں (کہ یوں کہا جائے تم بہت نیک ہو، لوگ تجھ سے نکاح کرنے کے خواہش مند ہیں۔ حالانکہ خود خواہش مند ہے یہی تعریض ہے اور صاف صاف اپنا ذکر کرنا کہ میں تجھ سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتا ہوں یہ صراحت ہے۔ یہ حرام ہے وہ حلال ہے۔ اسی طرح جھوٹ حرام ہے اور تعریض حلال ہے)

سورۃ زمر میں فرمایا:

لئن اشرکت لیحبطن عملک۔

"اگر آپ نے (بفرض محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے"۔

اس آیت میں بھی صراحتاً نسبت تو حضور علیہ السلام کی طرف ہے لیکن مراد آپ کی امت ہے۔

حدیث شریف میں ہے: **من عرض عرضنالہ۔** (سنن کبری 43/8)

جو کسی پر تعریضاً تہمت لگائے گا ہم اس کو تعریضاً حد لگائیں گے۔ یعنی حد کی بجائے تعزیر لگائیں گے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ غزوہ تبوک کے علاوہ حضور علیہ السلام نے ہر غزوہ کی طرف جاتے

ہوئے تعریض اور توریہ سے کلام فرمایا یعنی جہاں جانے کا ارادہ ہوتا صراحتاً اس جگہ کا نام لینے کی بجائے کسی دوسری جگہ کے حوالے سے نام لیا جاتا۔ تاکہ دشمن خبردار نہ ہو جائے۔ مفہوم حدیث (بخاری حدیث:4418، مسلم حدیث:2769)

اسی طرح باب المزاح کی کئی احادیث مثلاً اونٹ مانگنے والے کو اونٹ کا بچہ دینے کا ارشاد۔ بوڑھی عورت کو یہ فرمانا کہ جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہ جائے گی۔ حضرت زاھر بن حرام کے بارے میں فرمانا کہ اس عبد کو کون خریدے گا اور مراد غلام لینا، ام ایمن کے خاوند کے بارے فرمانا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔ ام ایمن کا بیماری سمجھنا اور آپ کا ہر آنکھ کی سفیدی مراد لینا یہ سب مثالیں تعریض کی ہیں اور صحیح احادیث میں ہیں۔ اور امام غزالی سے لیکر امام شامی نے ان دلائل سے تعریض وتوریہ کے طور پر کلام کرنے کا جواز ثابت کیا ہے۔ (احیاء العلوم 126/3، فتاویٰ شامی 526/9)

اس کا فائدہ کیا ہوا؟:

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے اس طرح کلام کرنے کا اثر یہ ہوا کہ قوم کو سوچنے کا موقع مل گیا اور کہنے لگے: انکم انتم الظلمون۔ ایک دوسرے کو کہنے لگے تم ہی ظالم ہو کہ ایسوں کی پوجا کر رہے ہو جو نہ بول سکتے ہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ۔

"تف ہے تم پر اور تمہارے بتوں پر جنہیں تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پوجتے ہو"۔

یاد رہے! تعریض اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ تعریض میں متکلم اپنے کلام کی ظاہری نسبت مراد نہیں لیتا جیسا کہ مثالیں گذر چکیں اور کنایہ میں دل میں ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے یعنی ذکر مشبہ کا کیا جاتا ہے اور مراد مشبہ بہ لیا جاتا ہے لیکن مشبہ بہ کے لوازمات کی وجہ سے ذہن مشبہ بہ کی طرف ہی منتقل ہوتا ہے جس طرح موت کو درندے کیساتھ تشبیہ دینا گویا کہ ناخن درندے کے لوازمات میں سے ہیں اور ناخنوں کا گاڑ دینا اس کے مناسبات میں سے ہے کہ ذکر اگرچہ موت کا ہوتا ہے اور مراد بھی

موت ہی ہوتی ہے لیکن ناخنوں اور ان کے گاڑنے سے ذہن درندے ہی کی طرف جائے گا نہ کہ موت کی طرف اس کو استعارہ بالکنایہ کہا جاتا ہے۔ ناخنوں کا ذکر استعارہ تخییلیہ ہے اور گاڑے کا ذکر ترشیحیہ ہے مثال یہ ہے انشبت المنیة اطفارھا۔ موت نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔

سوال کے دوسرے جز کا جواب یہ ہے کہ تمہاری بت پرستی کی وجہ سے میں پریشان ہوں جس کی وجہ سے میرا دل دُکھا ہوا ہے اور پوری قوم کی گمراہی سے ایک نبی اللہ اور وہ بھی اللہ کے خلیل کس قدر پریشان ہوں گے اس سے بڑھ کر اور بیماری کیا ہو گی کہ خلیل اللہ ان کو جنت کی طرف بلائیں اور وہ دوزخ میں بھاگ بھاگ کر جائیں۔ ایک مہربان باپ کا بیٹا نافرمان ہو جائے تو باپ کے دل پر کیا گزرتی ہے جبکہ نبی تو اپنی پوری امت کا روحانی باپ ہوتا ہے یہی جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ انی سقیم سے مراد یہ ہے: القلب لما فیه من الغیظ باتخاذکم النجوم الهة وبعبادتکم الاصنام۔ یعنی جسمانی مرض مراد نہیں بلکہ روحانی تکلیف آپ کا مقصد تھا۔

توریۃً کلام کرنا:

دوسرا جواب یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آنیوالے وقت میں جس طرح ہر بندہ بیمار ہوتا ہے، میں بھی بیماری کا سامنا کرنے والا ہوں گویا اس میں بھی "توریہ" تھا کہ آپ نے دور والا معنی مراد لیا اور قوم نے قریب والا سمجھا۔

جس طرح ہجرت کے سفر میں جو شخص بھی حضرت ابوبکر صدیق سے پوچھتا کہ آپکے ساتھ کون ہے؟ تو آپ فرماتے: رجل یهدینی السبیل۔ یہ وہ بندہ ہے جو مجھے راستہ بتا رہا ہے۔

وہ سمجھتے کہ شاید راستہ بتانے کیلئے کوئی بندہ اجرت پہ ساتھ لے جا رہے ہیں (جیسا کہ اس دور میں لوگوں کا معمول تھا) لیکن آپ کی مراد یہ ہوتی کہ یہ وہ عظیم ہستی ہے جس نے ہمیں خدا کی راہ بتائی ہے اور سیدھی راہ صرف دکھائی ہی نہیں بلکہ سیدھی

راہ پہ چلایا بھی ہے۔

بیوی کو بہن کہنے کا قصہ:

اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے اندر جس حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے تین کذبات کا ذکر ہے ان میں سے تیسرا یہ ہے کہ جب آپ فلسطین کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ کے ساتھ آپ کی بیوی (سارہ) تھیں ایک جگہ سے گذرے جہاں کا بادشاہ بڑا جابر و ظالم تھا لوگوں نے اس کو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ ایک شخص یہاں سے گزر رہا ہے اور اس کے ساتھ بڑی حسین و جمیل عورت ہے۔ بادشاہ کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کے ساتھ اگر اس کی بیوی ہوتی اور اس کو پسند آجاتی تو چھین لیتا اور اگر کوئی کہتا کہ یہ میری بہن ہے تو چھوڑ دیتا۔ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ میری بہن ہے۔ پھر حضرت ابراہم علیہ السلام نے حضرت سارہ کو بھی یہ بات بتا دی۔

ان هذا الجبار ان يعلم انك امرأتي يغلبني عليك فان سألك فاخبريه انك اختي في الاسلام۔ ليس علي وجه الارض مؤمن غيري ولا غيرك۔ (بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء)

"یہ (بادشاہ) بڑا ظالم ہے اگر جان گیا کہ تو میری بیوی ہے تو تجھے مجھ سے چھین لے گا لہٰذا اگر تجھ سے پوچھے تو بتا دینا کہ تو میری اسلامی بہن ہے کیونکہ اس وقت روئے زمین پہ میرے اور تیرے علاوہ کوئی بھی ایماندار نہیں ہے"۔

چنانچہ اس ظالم نے یہ کہنے کے باوجود کہ حضرت سارہ ابراہیم علیہ السلام کی اسلامی بہن ہے دست اندازی کی کوشش کی جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے نماز شروع کر دی اور وہ ظالم اللہ کی گرفت میں آ گیا، پاگل سا ہو گیا، اس کا گلا گھٹنے لگا، ایڑیاں رگڑنے لگا اور منہ سے جھاگ بہنے لگی۔ حضرت سارہ کو دعا کیلئے کہنے لگا اور وعدہ کیا کہ تمہیں کچھ نہ کہوں

گا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ٹھیک ہوا مگر دوبارہ بدنیت ہو گیا اور پہلے سے زیادہ اللہ کی گرفت میں آ گیا۔ پھر معافی مانگی اور دعا کی درخواست کی آپ نے پھر دعا کی تو ٹھیک ہو گیا اور اپنے دربان کو بلا کر کہا تم تو میرے پاس کسی جن کو لے آئے ہو پھر حضرت ہاجرہ کو حضرت سارہ کی خدمت کیلئے ساتھ روانہ کر دیا۔ (حضرت ہاجرہ بھی شاہ روم کی بیٹی تھیں ان سے بھی اس ظالم نے ایسا ہی کیا تھا اور انجام اس وقت بھی اسی طرح ہوا تھا اسی لیے اس نے حضرت ہاجرہ کو یہ کہہ کر ساتھ بھیج دیا کہ یہ دونوں انسان نہیں بلکہ جن ہیں) اس طویل حدیث میں جس بات کو "کذب" فرمایا گیا ہے وہ بھی سننے والے کے لحاظ سے کذب ہے کہ ظاہراً سننے والے اس کو کذب سمجھتے ہیں درحقیقت جھوٹ نہیں۔ تو "ثلث کذبات" سے مراد یہ ہوا کہ ایسی تین باتیں کہ جن کو سننے والا بظاہر کذب سمجھتا ہے ابراہیم علیہ السلام سے تین موقعوں پہ صادر ہوئیں۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

ان الکذب لا یقع منھم مطلقا واما الکذبات المذکورۃ فانما ھی بالنسبۃ الی فھم السامع لکونھا فی صورۃ الکذب واما فی نفس الامر فلیست کذبات۔ (مرقاۃ)

انبیاء کرام سے جھوٹ مطلقاً ممکن ہی نہیں اور حدیث میں کذبات سے مراد بظاہر سامع کا جھوٹ سمجھنا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

اضافۃ الکذب الی رواتہ اولی من ان یضاف الی الانبیاء الکرام۔ (زیر آیت بل فعلہ کبیرھم)

اگر کوئی ایسی روایت ہو کہ جس سے انبیاء کرام کی طرف جھوٹ کی نسبت ہوتی ہو اور کوئی صحیح تاویل بھی نہ ہو سکتی ہو تو کسی نبی کو جھوٹا کہنے کی بجائے راوی کو جھوٹا کہہ لینا ہی زیادہ بہتر ہے کیونکہ نبیوں سے جھوٹ محال ہے وہ معصوم عن الخطا ہیں۔

خاکم بدہن! اگر کسی امت کا نبی ہی جھوٹ بولنا شروع کر دے تو اس نبی کی امت

کا کیا حال ہوگا (اس کی زندہ مثال قادیانی ہیں) اور پھر نبی بھی وہ کہ جو صدیق نبی ہے اور اللہ کا خلیل ہے۔

ایں خیال است ومحال است وجنون

ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا امتحان

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واذ قال ابراهيم رب اجعل هذا البلد امنا...... تا...... يوم يقوم الحساب۔ (ابراہیم:35تا41)

''اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب اس شہر کو امان والا کردے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا، اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک بخشنے والا مہربان ہے۔ اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے (وادی) میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے میرے رب اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو تو لوگوں کے کچھ دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں اے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے اور ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کچھ چھپا نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و اسحٰق علیہم السلام دیئے بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے۔ اے میرے رب! مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو اے ہمارے رب اور ہماری دعا سن لے اے ہمارے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا''۔

خدا کا قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر
معزز جس کو ہونا تھا زمینوں آسمانوں پر

وہ صحرا جس کی وسعت دیکھنے سے ہول آتا تھا
وہ نقشہ جس کی صورت سے فلک بھی کانپ جاتا تھا
یہ وادی جو بظاہر ساری دنیا سے نرالی تھی
یہی اک روز دین حق کا مرکز بننے والی تھی
یہ وادی جس میں نہ سبزہ نہ پانی اور نہ مایا تھا
اسے آباد کردینے کو ابراہیم آیا تھا

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو کن حالات میں کن وجوہات کی بنا پر کس مقام پہ کیوں اور کیسے چھوڑا ان تمام باتوں کا ذکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طویل فرمان عالی شان میں موجود ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔ پہلے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے اپنی کمر پر پٹکا باندھا وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں، انہوں نے یہ پٹکا اس لیے باندھا تھا کہ ان کے قدموں کے نشان مٹ جائیں اور حضرت سارہ کو پتا نہ چلے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں اور ان کے دودھ پیتے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر روانہ ہوئے اور جس جگہ بیت اللہ ہے وہاں ایک درخت کے پاس چھوڑ دیا، جس جگہ پر آب زمزم کا کنواں ہے۔ اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہیں تھی اور نہ وہاں پانی تھا۔ انہوں نے اس جگہ ان دونوں کو چھوڑ دیا اور ان کے پاس ایک تھیلا رکھ دیا جس میں کھجوریں، ستو اور پانی تھا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس جانے لگے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے گئیں اور کہا: اے ابراہیم! آپ کہاں جا رہے ہیں اور ہمیں اس غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ وہ بار بار یہ جملے دہراتی رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا، پھر انہوں

نے پوچھا: کیا اللہ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ہاں!
حضرت ہاجرہ نے کہا: پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا اور وہ (مطمئن ہو کر) لوٹ
آئیں، پھر ابراہیم علیہ السلام واپس روانہ ہوئے حتیٰ کہ جب وہ مقام ثنیہ پر پہنچے، جہاں
انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا تھا تو انہوں نے اپنا منہ اس طرف کیا جس طرف اب بیت اللہ
ہے، پھر انہوں نے دونوں ہاتھ بلند کر کے ان کلمات کے ساتھ دعا کی۔ (جس کا ذکر
ابھی چند سطور پہلے آپ پڑھ چکے ہیں)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ حضرت اسمٰعیل کو دودھ پلاتی تھیں، اور اس پانی
سے پیتی تھیں، حتیٰ کہ جب مشکیزہ کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور ان کا بیٹا دونوں پیاسے تھے۔
وہ اپنے بیٹے کی طرف دیکھتیں جو پیاس سے تڑپ رہے تھے، جب وہ ان کو دیکھنے کی
تاب نہ لا سکیں تو وہاں سے چل پڑیں، انہوں نے دیکھا اس زمین کے قریب صفا پہاڑ
تھا، وہ اس پہاڑ پر کھڑی ہو گئیں، کہ کوئی آتا ہوا دکھائی دے، انہیں کوئی نظر نہیں آیا، پھر
وہ صفا سے اتریں اور وادی میں پہنچ گئیں، انہوں نے اپنی قمیص کا دامن اٹھایا اور بہت
تیز دوڑ کر اس وادی کے پار گئیں پھر مروہ پہاڑ پر گئیں اور دیکھا کوئی شخص دکھائی دے،
انہیں کوئی نظر نہیں آیا، انہوں نے صفا اور مروہ کے درمیان اس طرح سات مرتبہ دوڑ
لگائی۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہا: اب ٹھہر جاؤ، پھر انہوں نے کان
لگا کر سنا تو انہیں ایک آواز سنائی دی اور اس نے کہا: اگر تمہارے پاس کوئی فریادرس
ہے تو تم نے اس کو اپنی آواز پہنچا دی ہے، اچانک دیکھا تو زمزم کے قریب ایک فرشتہ
کھڑا تھا، اس فرشتے نے اس جگہ اپنی ایڑی یا اپنے پر مارے۔ حتیٰ کہ پانی نکلنے لگا۔
حضرت ہاجرہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح اس پانی کو حوض کی طرح اکٹھا کرنے لگیں۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں پر رحم فرمائے کاش وہ زمزم کو بہتا ہوا چھوڑ
دیتیں یا فرمایا: کاش وہ اس میں سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک بہتا ہوا چشمہ بن جاتا،
پھر حضرت ہاجرہ نے خود پانی پیا اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے ان سے کہا: تم

اپنے بچے کے متعلق فکر نہ کرو۔ اس جگہ بیت اللہ ہے جس کو یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا اور اللہ اس کے اہل کو ضائع نہیں کرے گا، اور بیت اللہ کی جگہ زمین سے بلند تھی، اس کی دائیں اور بائیں جانب سے سیلاب گزر جاتے تھے۔

اسی طرح وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ جرہم کے کچھ لوگ وہاں سے گزرے یا جرہم کے گھرانوں میں سے کچھ لوگ وہاں سے گزرے وہ مکہ کے نشیب میں اترے، انہوں نے وہاں پرندوں کو منڈلاتے ہوئے دیکھا، انہوں نے آپس میں کہا یہ پرندے پانی پر جا رہے ہیں، ہم اس وادی اور اس میں جو پانی ہے اس کا ارادہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: کیا آپ ہمیں اس کی اجازت دیتی ہیں کہ ہم آپ کے پاس قیام کریں۔ حضرت ہاجرہ نے کہا: ہاں! لیکن پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس چیز سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں کی ڈھارس بندھی اور وہ انس چاہتی تھیں۔ وہ لوگ وہاں ٹھہر گئے اور انہوں نے اپنے گھر والوں کو بھی بلا لیا، حتیٰ کہ جب وہاں بہت سے گھر بن گئے اور ان کا بیٹا جوان ہو گیا اور اس نے ان سے عربی زبان سیکھ لی، جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو وہ جرہم کے لوگوں کو اچھے لگے تو انہوں نے اپنی ایک عورت کا ان سے نکاح کر دیا اور حضرت اسمٰعیل کی والدہ فوت ہو گئیں، حضرت اسمٰعیل کی شادی ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے احوال معلوم کرنے کیلئے آئے، انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو موجود نہ پایا تو ان کی بیوی سے ان کے متعلق معلوم کیا، اس نے کہا وہ ہمارے لیے کچھ چیزیں لینے گئے ہیں (دوسری روایت میں ہے وہ شکار کرنے گئے ہیں) پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے حالات اور گزر اوقات کے متعلق ان سے پوچھا اس نے کہا ہم بہت برے حالات میں ہیں، اور ہم بہت تنگی اور سختی میں ہیں اور ان سے شکایت کی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ جب تمہارا خاوند آئے تو تم اس سے میرا اسلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر لے، جب حضرت اسماعیل آئے تو ان کو کچھ محسوس ہوا، انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا، بیوی نے کہا: ہاں اس شکل

کا ایک بوڑھا آیا تھا، اس نے تمہارے متعلق پوچھا تو میں نے اس کو بتایا، اس نے مجھ سے پوچھا تمہارے حالات کیسے ہیں؟ تو میں نے اس کو بتایا کہ ہم بہت جفاکشی اور سختی کے ایام گزار رہے ہیں۔ حضرت اسماعیل نے پوچھا کیا انہوں نے کسی چیز کی وصیت کی تھی؟ اس نے کہا: ہاں انہوں نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں آپ کو ان کا سلام کہوں اور وہ یہ کہتے تھے کہ تم اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو تبدیل کرلو، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا وہ میرے والد تھے اور انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے علیحدہ ہوجاؤں، تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ، انہوں نے اس کو طلاق دے دی، اور انہی لوگوں میں دوسری شادی کرلی، اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا حضرت ابراہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے، پھر کچھ عرصہ بعد آئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نہیں ملے، وہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کہا وہ ہمارے واسطے کچھ لینے گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اور گزر اوقات کے متعلق سوال کیا، ان کی بیوی نے کہا ہم خیریت سے ہیں اور بہت خوش حال ہیں، اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا تم لوگ کیا کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم گوشت کھاتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اور تم لوگ کیا پیتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم پانی پیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما! اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت ان لوگوں کے پاس اناج نہیں تھا ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کیلئے اس میں بھی برکت کی دعا کرتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ صرف ان دو چیزوں (گوشت اور پانی) پر مکہ مکرمہ کے سوا اور کسی جگہ گزارہ نہیں ہوسکتا، صرف یہ دو چیزیں اور جگہوں پر مزاج کے موافق نہیں ہوں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا جب تمہارا شوہر آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور اس سے کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو قائم رکھے۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا کیا کوئی شخص تمہارے پاس آیا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا: ہاں! ہمارے پاس اچھی شکل وصورت کا ایک بوڑھا شخص آیا تھا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کی، انہوں نے مجھ سے

ہماری گزر اوقات اور حالات کے متعلق پوچھا، میں نے ان کو بتایا کہ میں خیریت سے ہوں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کیا انہوں نے تجھے کوئی وصیت بھی کی تھی؟ انہوں نے کہا: ہاں! انہوں نے آپ کو سلام کہا، اور آپ کے متعلق یہ حکم دیا کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ کو قائم رکھیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: یہ میرے والد تھے اور تم چوکھٹ ہو، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس برقرار رکھوں۔

پھر جب اللہ نے چاہا حضرت ابرہیم علیہ السلام ٹھہرے رہے، پھر اس کے بعد آئے اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے اپنا تیر درست کر رہے تھے، جب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہو گئے اور دونوں ایک دوسرے سے اس طرح ملے جیسے بیٹا باپ سے، اور باپ بیٹے سے ملتا ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے اسماعیل مجھے اللہ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کہا: آپ وہی کیجئے جس کا آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ بیت اللہ تعمیر کروں اور انہوں نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا جو اپنے اردگرد کی زمین سے کافی بلند تھا، آپ نے فرمایا اس وقت ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان پتھروں کو جوڑ جوڑ کر لگاتے تھے، حتیٰ کہ جب بنیادیں زیادہ بلند ہو گئیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام اس پتھر (مقامِ ابراہیم) کو لائے اور اس دیوار کے ساتھ رکھ دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پتھر پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے رہے اور وہ دونوں یہ دعا کرتے تھے۔ (جس دعا کا ذکر سورۂ بقرہ کے حوالے سے گذر چکا ہے) (بخاری شریف حدیث 3364)

خلاصۂ تفاسیر:

سحر کے وقت ابراہیم نے اٹھ کر دعا مانگی
سکون قلب مانگا خوئے تسلیم و رضا مانگی

یقیناً یہ ایک بہت بڑا امتحان تھا کہ چھیاسی، نوے یا ننانوے سال کی عمر میں ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام جیسا فرزند عطا ہوا اور پھر دوسری بیوی کے مطالبے پر ماں اور اس کے دودھ پیتے بیٹے کو ایسی جگہ چھوڑ دیا جائے کہ جہاں نہ کچھ کھانے کو ہو اور نہ پینے کو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش 2160 قبل مسیح اور آپ کے ہاں اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے تیس سال بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو بیس سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی تب حضرت سارہ کے مشورے پر ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بی بی ہاجرہ سے نکاح فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام عطا کیا۔

طبقات الکبریٰ 41/1 کے مطابق جب حضرت سارہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حضرت ہاجرہ ھبہ کی (جو حضرت سارہ کی خدمت کیلئے، ظالم و جابر بادشاہ نے دی تھی (جس کا ذکر ماقبل میں ہو چکا) اور ابراہیم علیہ السلام نے نکاح فرمایا اور سیدہ ہاجرہ اسماعیل علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں تو حضرت سارہ کو حضرت ہاجرہ پہ رشک آنے لگا جبکہ حضرت ھاجرہ حضرت سارہ پر فخر کرنے لگیں۔ اس کا ذکر جب حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا تو آپ نے فرمایا: تو اس کے ساتھ جو سلوک کرے مجھے منظور ہے۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ حضرت سارہ کے ڈر سے وہاں سے بھاگ نکلیں۔ ایک چشمہ کے پاس گئیں تو ایک فرشتے نے کہا: ڈرنے کی ضرورت نہیں جو بچہ تجھے عطا کیا جانے والا ہے اس کا نام اسماعیل رکھنا اور اس بچے میں بڑی خیر و برکت ہوگی۔ لہٰذا واپس اپنے گھر چلی جاؤ۔ یہ بچہ لوگوں سے فتنے دور کرے گا۔ سب لوگوں پہ اس کا غلبہ ہوگا، تمام لوگ اس کی بات مانیں گے اور اس کی مدد کریں گے، اپنے تمام بھائیوں کے ملکوں کا مالک ہوگا۔ اور یہ بشارت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فرزندِ ارجمند، ہمارے آقا و مولیٰ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ پوری ہوئی۔ کیونکہ آپ ہی عرب و عجم کے سردار بنے اور آپ ہی کا دین روئے زمین پہ پھیل گیا اور آپ کو اولین و آخرین کے علوم نافعہ اور اعمال صالحہ سے نوازا گیا تا کہ آپ کو تمام

رسولوں پر فضیلت حاصل ہو۔ چنانچہ حضرت ہاجرہ واپس گھر آ گئیں اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام سیدہ ہاجرہ کی گود میں جلوہ افروز ہو گئے۔

پھر حضرت سارہ کو سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا پہ رشک و غیرت میں مزید اضافہ ہو گیا تو انہوں نے ابراہیم علیہ السلام سے مطالبہ کر دیا کہ حضرت ہاجرہ کو ان کی نگاہ سے دور کر دیا جائے چنانچہ اس مطالبے میں حضرت سارہ کو اللہ تعالیٰ کی تائید بھی حاصل ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ اور ان کے لختِ جگر کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئے جہاں آج انہی ذوات قدسیہ کی وجہ سے کعبہ آباد ہے۔ اس کے بعد والا کچھ واقعہ شاہنامہ اسلام سے ملاحظہ ہو:

؎ تڑپتے دیکھ کر بچے کو بڑھ جاتی تھی بے تابی
ٹپک پڑتی تھی اشک یاس سے پانی کی نایابی
بہت ڈھونڈا نہ کچھ آثار پانی کے نظر آئے
جدھر اٹھی نظر جھلسے ہوئے ٹیلے نظر آئے
زمیں پر ایڑیاں بچے نے رگڑی تھیں بہ ناچاری
ہوا تھا چشمہ آب سرد و شیریں کا وہاں جاری
یہ ام المسلمیں ہے اور شہزادی ہے صحرا کی
اسی کے نازنیں قدموں سے آبادی ہے صحرا کی
بنی جرہم ادب سے سر جھکائے سامنے آئے
جو کچھ تھا پاس ان کے نذر دینے کیلئے آئے
ندا آئی کہ اے جرہم کے بیٹو بادیہ گردو
ادب کی ہے جگہ بوڑھو، جوانو، عورتو، مردو
یہ عورت اور اس کی گود میں بچہ جو لیٹا ہے
یہ پیغمبر کی بیوی ہے وہ پیغمبر کا بیٹا ہے

دل ناشاد کی حالت دل ناشاد ہی جانے
غم اولاد کوئی صاحب اولاد ہی جانے

ایک وضاحت:

یاد رہے! ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان میں آپس کا رشک جہاں تقاضائے بشریت ہے وہاں خاوند کی محبت کی علامت بھی ہے جیسا کہ ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات میں تھا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر بیوی چاہتی ہے کہ خاوند کی ساری محبتیں سمٹ کر میرے دامن میں آجائیں، اس لیے ایسے موقع پہ ان کی عظمتوں سے منہ پھیر لینا اور اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دینا بدبختی اور برکات سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔ (تفصیل سورہ تحریم کے پسِ منظر و شانِ نزول میں اور سورہ کی ابتدائی آیات کی تفسیر میں دیکھیے لیکن ان مفسرین کی تفسیر دیکھیے جن کا تعلق ادب کرنیوالی جماعت سے ہے اور

بے ادب گستاخ "فرقوں" کو سنا دے اے حسنؔ
یوں کہا کرتے ہیں سُنّی داستانِ اہلِ بیت)

شیخ ابو محمد بن ابی زید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لواذر میں لکھا کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بڑی غضبناک ہوئیں اور انہوں نے قسم اٹھالی کہ میں ہاجرہ کے تین اعضا کاٹوں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حکم دیا کہ سارہ تم اپنی قسم کو اس طرح پورا کرو کہ ہاجرہ کے دونوں کانوں میں سوراخ کر دو اور اس کا ختنہ کر دو۔ تمہاری قسم پوری ہو جائے گی۔

سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں روئے زمین کی سب سے پہلی عورت جس کا ختنہ ہوا اور کان چھیدے گئے اور جس نے اپنی دامن کو لمبا کیا وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا ہیں۔
(قصص الانبیاء: امام ابن کثیر)

دعاؤں کا سلسلہ:

یہ واقعہ نارِ نمرودی کے بعد پیش آیا لیکن عجیب بات ہے کہ وہاں فرشتوں کے

عرض کرنے کے باوجود ابراہیم علیہ السلام دعا نہیں فرما رہے اور یہاں خود ہی دعا پہ دعا کیے جا رہے ہیں، تاہم وہ تب بھی خلیل تھے اور اب بھی خلیل ہیں۔ وہاں دنیا کو توکل کا درس دے کر بتا رہے ہیں کہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اور یہاں رب العالمین کی بارگاہ میں اپنے عجز کا اظہار فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کس شان سے اپنے خلیل کی دعاؤں کو مقبول و منظور بنا رہا ہے کہ مثلاً دیکھئے آپ نے دعا میں عرض کیا: **وارزقهم من الثمرات**۔ اے اللہ! ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔

آج جو پھل دنیا کے کسی خطے میں نہیں ملتا آپ کو دعائے ابراہیم کے مقام مکہ شریف میں مل جائے گا۔ تفاسیر میں لکھا ہے:

يجتمع فى مكة المكرمة البواكير والفواكه المختلفة الازمنة من الربيعه والصيفية والخريفية فى يوم واحد۔

کہ مکۃ المکرمہ میں ہر موسم کا پھل ایک ہی دن میں میسر ہے۔

<u>دعا کی قبولیت کا اہتمام:</u>

اور اس دعا کو قبول کرنے کیلئے اللہ کی طرف سے کس قدر اہتمام کیا گیا اس کا اندازہ اس روایت سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ طائف کا شہر ابتداً فلسطین میں تھا۔

فلما دعا ابراهيم بهذ الدعوة رفعها الله تعالىٰ ووضعها حيث وضعها رزقا للحرم۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی تو پورے شہر طائف اور گردونواح کو وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھ دیا گیا تاکہ دعا خلیل کی قبولیت کا نظارہ تا قیامت سارا جہان اپنی آنکھوں سے کرتا رہے اور اہل حرم کو پھلوں کا رزق ملتا رہے۔

<u>ایک روایت میں ہے:</u>

ان جبرائیل اقتلعها فجاء وطاف بها حول البیت سبعا و
لذا سمیت الطائف ثم وضعها قریب مکة۔

جبریل امین علیہ السلام نے شہر طائف کو (فلسطین سے) اٹھایا، مکہ مکرمہ لائے۔ خانہ کعبہ کے گرد پورے شہر کو سات چکر لگوائے اسی لیے اس کا طائف نام رکھا گیا (ویسے تو ہر شہر کے لوگ خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں لیکن شہر طواف کرنے والا صرف طائف ہے) پھر اس کو مکہ شریف کے قرب و جوار میں بسا دیا گیا۔

خلیل وحبیب علیہما السلام کی دعا:

جب خلیل اللہ کی دعاؤں کی قبولیت کا یہ عالم ہے تو حبیب اللہ کی دعا کی قبولیت کا یہ حال کیوں نہ ہو کہ:

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی شان سے جو دعائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں عرض کیا:

ربنا انی اسکنت من ذریتی۔ میں من تبعیضیه ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ جو اولاد بعد میں ہونے والی تھی جیسے تیس سال بعد اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش تو آپ کے پیشِ نظر وہ اولاد بھی تھی۔ پھر بھی یہ کہنا کہ "کل کے بارے میں کوئی نہیں جانتا" کتنی عجب جرأت و شرارت ہے۔

جب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے علم کی بلندیوں کی یہ شان ہے کہ تیس سال بعد پر بھی نظر رکھتے ہیں تو محبوب خدا علیہ السلام کا علم یہ ہے کہ مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر تا قیامت ہی نہیں بلکہ قیامت کے بعد کے حالات بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں۔

مگر بے خبر، بے خبر جانتے ہیں

اس دعا کے اگلے الفاظ ہیں بواد غیر ذی زرع۔ ایسی وادی جہاں کھیتی (سبزہ) نہیں۔ غیر ذی ماء نہیں کہا۔ شاید دیکھ رہے تھے کہ اسی اسماعیل علیہ السلام کے قدموں

سے ایسے چشمے پھوٹیں گے کہ زمانہ سیراب ہوگا۔ جب خلیل اللہ کی نظر کا عالم یہ ہے تو حبیب اللہ کی نگاہ کہاں تک جاتی ہوگی۔ اسی لیے فرمایا:

انی ارنی مالا ترون واسمع مالا تسمعون۔ (بخاری)

''میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے''۔

کنار آب زم زم آج خیمے ہوگئے برپا
بڑا خیمہ تھا سب سے ہاجرہ اور اس کے بیٹے کا

غیر ذی زرع میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میں اپنے اہل وعیال کو کسی دنیوی مقصد کیلئے نہیں چھوڑے جا رہا کیونکہ دنیوی اعتبار سے تو جب یہاں سبزہ اور پانی نہیں ملتا تو اور کیا ملے گا۔ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ملت ابراہیمی کے پیروکار ہونے کے ناطے جہاں اپنی اولاد کو حصول دنیا کیلئے بیرون ممالک بھیجتے ہیں اور ان کے دین ایمان کی فکر کیے بغیر صرف یہ دیکھتے ہیں کہ مہینے بعد کتنا سرمایہ بھیجتا ہے وہاں حصول علم کیلئے اولاد کو اپنے سے جدا کرنے کی زحمت بھی گوارا کرنی چاہیے اور اس اولاد کے دین وایمان کی حفاظت کیلئے رب العالمین کی بارگاہ میں دعا گو رہنا چاہیے۔ جیسا کہ لعلھم یشکرون اور رب اجعلنی مقیم الصلوۃ کی بابرکت دعا سے ہمیں سبق ملتا ہے۔

گویا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: مولیٰ اگرچہ دنیوی اسباب نام کی یہاں کوئی شی نہیں ہے مگر تو تو مسبب الاسباب ہے۔

تو جو چاہے تو قطرے کو سمندر کردے
تو جو چاہے تو فقیروں کو سکندر کردے
تو جو چاہے تو یتیموں کو پیغمبر کردے
تو جو چاہے تو وزیروں کو بھی اندر کردے

قل اللھم ملك الملك تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل

شیء قدیر۔

کیا یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعاؤں کی برکت نہیں ہے کہ دوسری ملتوں کے آثار مٹتے جا رہے ہیں اور ملت ابراہیم کی دھوم دن بدن زیادہ ہو رہی ہے، حج کو دیکھ لو، قربانی کو دیکھ لو مکہ شہر کی رونقوں کو دیکھ لو۔ جب دعا کی وہاں پانی نہیں ملتا تھا پھل تو دور کی بات ہے اب پوری دنیا میں وہاں سے پانی (زمزم) جا رہا ہے، پیتے جاؤ اور خلیل اللہ علیہ السلام کی یادگاروں کو یاد کر کے جیتے جاؤ۔

ارکان حج کی نفس حقیقت ہے اور کیا
اللہ کو بس آگئی ان کی ادا پسند

اس دعا کا اگلا جملہ ہے عند بیتك المحرم۔ تیرے عزت والے گھر کے پاس (اپنے اہل وعیال چھوڑے جا رہا ہوں)

حالانکہ اس وقت وہاں بیت اللہ تھا ہی نہیں، تو کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ جانتے تھے کہ آنے والے وقت میں یہیں پہ بیت اللہ بنے گا اور یہی دودھ پیتا بچہ میرے ساتھ مل کر بیت اللہ بنائے گا۔

اس کے بعد والا جملہ دعائیہ یہ ہے: ربنا لیقموا الصلوة۔ اے ہمارے پالنے والے تاکہ وہ نماز قائم کرتے رہیں۔

ہمیں بھی اپنے آپ کا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم اپنے گھر والوں کے بارے میں کیا اس قدر فکرمند ہوتے ہیں کہ ان کی جان سے زیادہ ان کے نمازی ہونے کی فکر ہو۔

ازاں بعد اسی دعا کا جملہ ہے: فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم۔ لوگوں کے دل ان کی طرف جھکے رہیں۔ آج دیکھو کون مسلمان ہے جس کا دل ان مقدس ہستیوں کی یادگاروں کو اپنانے کیلئے بے تاب نہیں اور حج وزیارت کیلئے بے چین نہیں۔ جو ایک بار کر لیتا ہے وہ تڑپتا رہتا ہے اور جو نہیں کر سکا وہ ترستا رہتا ہے۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کا اثر ہے کہ آج جتنی دعائیں وہاں ہوتی ہیں اتنی

کہاں ہوتی ہیں؟ چپے چپے پہ دعائیں ہو رہی ہیں اور صرف ہو ہی نہیں رہیں قبول بھی ہو رہی ہیں اور تا قیامت ہوتی رہیں گی۔ دل سینوں سے نکل نکل کر حرم شریف جانے کیلئے بیتاب ہیں۔

حضرت ابن عباس اور مجاہد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر ابراہیم علیہ السلام اپنی دعا میں من الناس نہ فرماتے کہ لوگوں میں سے بعض تو یہودی بھی پہنچ جاتے اور عیسائی بھی، مِنْ فرما کر ان کو خارج کر دیا گیا اور مسلمانوں میں سے بھی بعض چنانچہ ایسا ہی ہے کہ بعض ہر سال جا رہے ہیں تا کہ سہولت رہے ورنہ ایک ہی سال سارے پہنچ جائیں تو بڑی مشکلات پیش آ جائیں۔

ہمارے لیے کیا حکم ہے؟:

بات چلی تھی یہاں سے کہ نارِ نمرودی سے بچنے کیلئے تو فرشتوں کے کہنے کے باوجود ابراہیم علیہ السلام دعا نہیں کر رہے اور یہاں خود بخود ہی دعا پہ دعا کیے جا رہے ہیں آخر کیوں؟ اس لیے کہ وہاں توکل علی اللہ کا منظر دکھانا تھا اور یہاں عاجزی کا نظارہ کرانا تھا۔
چونکہ آزمائش وابتلاء کا رنگ غالب تھا اور اپنا معاملہ تھا اور یہاں عرض والتجا اور قیامت تک کی مخلوق خدا کا معاملہ ہے۔ وہاں اگر عرض والتجاء کرتے تو کوئی کہتا شاید ڈر گئے ہیں اگرچہ اللہ سے ڈرنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اور یہاں اگر دعا نہ کرتے تو ہمیں وہاں دعائیں مانگنے کا طریقہ کیسے آتا اس لیے فرمایا اپنی خیر ہے مخلوق خدا کا بھلا ہو جائے۔
وہاں بچنے کی دعا نہ کر کے اللہ کی قدرت دکھانا، اپنا معجزانہ رنگ دکھانا اور ایک ہزار کافروں کو کلمہ پڑھانا مقصود تھا اور یہاں دعاؤں سے نورِ مصطفیٰ سے کعبہ کو سجانا، قیامت تک کروڑوں کو حاجی بنانا مقصود تھا، وہاں جو رب جلیل نے کہا: ابراہیم خلیل مانتے گئے اور یہاں جو ابراہیم خلیل کہتے گئے رب جلیل مانتا گیا۔ **هل جزاء الاحسان الا الاحسان۔ فبای الاء ربکما تکذبن۔**

اہلِ محبت کہتے ہیں کعبہ تعمیر کر کے ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے جو یہ دعا کی کہ بنا

ہم نے دیا ہے مگر اپنے محبوب کو اس میں بھیج کر بسا ٹو دے۔ اور وہ تیرا محبوب میری اولاد میں سے ہوتا کہ کل قیامت کے دن جب وہ مجھے دادا کہہ کر اور میں اسے پوتا کہہ کر پکاروں تو محشر میں ایک اور محشر بپا ہو، نہ دادے کی کوئی مثال ہو، نہ پوتے کا کوئی جواب ہو۔ دادا خلیل اللہ ہے تو پوتا حبیب اللہ ہے۔ لیکن یہ درجہ اخص الخواص لوگوں کا ہے جبکہ ہمارے لیے وہ حکم ہے جو حدیث میں ہے کہ اگر تم دعا نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے گا۔ دعا کیلئے اٹھائے ہوئے تمہارے ہاتھوں کو خالی موڑتے ہوئے اللہ کو شرم آتی ہے۔ تم ایک بار یا اللہ کہو تو ادھر سے ستر بار یا عبدی کی آواز آتی ہے۔

جب یہ عاموں کی دعا ہے تو خاصوں کی دعا کی شان کیا ہوگی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دعا فرما کر اپنے بچوں کے استاذ ملا طاہر لاہوری کی پیشانی سے شقی کی بجائے سعید لکھوا دیا۔

مدینے کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر
بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد ﷺ کے غلام اکثر

اور کیوں نہ ہو کہ پانی (جیسی طاقتور شے) کا چشمہ اسماعیل علیہ السلام کے قدموں سے پھوٹ رہا ہے اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا زم زم (رک جا رک جا) نہ فرماتیں **لكانت زم زم عينا معينا (اى ظاهرا على وجه الارض)** تو یہ پانی ساری زمین پہ پھیل جاتا۔ تو پانی جو ہوا سے بھی زیادہ طاقتور ہے وہ بھی اللہ کے بندے اسماعیل علیہ السلام کے قدم کی ٹھوکر میں ہے تو تقدیر و قضا محبوبانِ خدا کی دعا میں کیوں نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشیاں دوبالا ہوگئیں:

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اس امتحان میں بھی سو فیصد کامیاب ہوئے تو اللہ رب العالمین نے حضرت سارا کے بطن سے ایک اور فرزند عطا فرما کر ان کی خوشیوں میں اضافہ فرما دیا۔

چنانچہ امام اسماعیل بن عمر المعروف امام ابن کثیر جن کی کتاب البدایہ والنہایہ تاریخ

اسلام میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے آپ اپنی کتاب قصص الانبیاء میں فرماتے ہیں:

جب حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اڑسٹھ برس تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی گود کو بھی ہرا کر دیا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہا السلام کے بطن سے حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری بھی جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دے دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خوشخبری سن کر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم میں نے اسماعیل کے بارے میں تیری دعا قبول کی۔ میں اسے برکتوں اور اولاد کی کثرت سے نواز دوں گا۔ اس کی اولاد میں بارہ عظیم افراد ہوں گے اور اسے میں ایک بہت بڑی جماعت کا سربراہ و سردار بناؤں گا۔ اس بشارت کا تعلق بھی اسی امتِ عظیمہ کے ساتھ ہے اور وہ بارہ عظیم افراد جنہیں اولاد اسماعیل سے پیدا ہونے کا شرف و امتیاز حاصل ہوا وہ خلفاء ہیں جن کا تذکرہ عبدالملک بن عمیر سے مروی حدیث میں ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بارہ امیر ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں پھر اس کے بعد جو کلمات آپ نے ارشاد فرمائے میں انہیں سمجھ نہ سکا۔ میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ آگے سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ارشاد فرمایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ بارہ کے بارہ قریش سے ہوں گے۔

خلافت کا سلسلہ چل نکلا:

ان خلفاء کا تعلق اولادِ اسماعیل سے ہے ایک روایت کے مطابق خلافت کا یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا اور ایک روایت کے مطابق یہ امر خلافت غالب رہے گا اور وہ سارے خلفاء قریش سے ہوں گے۔ ان میں سے چار تو خلفائے راشدین یارانِ مصطفیٰ حضرتِ ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں اور پانچویں عمر بن

عبدالعزیز ہیں اور کچھ دیگر بنو عباس سے ہیں ان سے یہ مراد نہیں کہ بالترتیب بارہ ہوں گے بلکہ فقط یہی مراد ہے کہ وہ بارہ ہی ہوں گے اور نہ ہی اس سے یہ مراد ہے کہ ان میں سے پہلے مولا علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ اور آخری کا انتظار ہے جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ونظریہ ہے کہ وہ آخری پس پردہ ہیں اور وہ محمد بن الحسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے صاحبزادے امام حسن رضی اللہ عنہ مخلوق خدا کیلئے بہت نفع رساں تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جنگ کو ترک کر کے معاملات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمادیئے تھے۔ فتنے کی آگ کو فروکش کر کے ملت اسلامیہ کے مابین جنگ کی چکی کو روک دیا تھا۔ باقی خلفائے عظام تمام رعایا میں شامل وداخل ہیں اور بہر حال جن کا اعتقاد ہے کہ آخری امام پس پردہ ہیں تو یہ ان کے دماغ کی ہوس اور نفسوں کا ہذیان ہے جس کی نہ کوئی حقیقت نہ وجود اور نہ کوئی علامت ونشانی ہے۔

اہلِ کتاب کا یہ بھی نظریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے ابراہیم تمہاری زوجہ کو سارا نہ کہا جائے بلکہ اس کا نام سارہ ہو اور اسی نام سے اسے پکارا جائے۔ میں انہیں برکتوں سے مالا مال بھی کروں گا اور اس بیوی سے تجھے ایک بیٹا بھی عطا کروں گا پھر اس بیٹے سے بہت سارے قبائل اور قبائل کے بادشاہ ہوں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مسکراتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں ہدیہ تشکر بجالانے کیلئے سربسجود ہو گئے اور جی ہی جی میں کہنے لگے کیا سو سال عمر بیت جانے کے بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا یا اس عمر میں حضرت سارہ بچہ جنے گی؟ جبکہ نوے سال کی بہاریں وہ بھی دیکھ چکی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی الٰہ العالمین کاش اسماعیل علیہ السلام بھی اس طرح شاہی زندگی بسر کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا: تمہاری بیوی آئندہ سال کے ان دنوں تک ایک بیٹے کو جنم دے گی اور اس کا نام اسحٰق منتخب ہوگا۔ میری وحدانیت وعبادت کا عہد رہتے زمانہ تک اور اس کے بعد مخلوق کیلئے جاری رکھنا اور اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں بھی تیری دعا قبول کرتا ہوں اسے بھی برکتوں سے مالا مال

کروں گا اسے عظمتوں سے بہرہ ور کر کے اس کی اولاد بہت کثیر کر دوں گا۔ اس کی اولاد سے بارہ عظیم انسان پیدا ہوں گے اور ایک بہت بڑی جماعت کا انہیں سردار و سربراہ بنا دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوشیوں میں مزید اضافہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فبشرنها باسحق ومن وراء اسحق یعقوب۔

"کہ ہم نے اسے (ابراہیم کو) اسحٰق اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی"۔

آیت مذکورہ اس بات پر دلیل ہے کہ بیٹے کی ولادت سے انہیں بہت فائدہ حاصل ہوگا اور پھر بیٹے کی اولاد بھی ان کی زندگی میں ہوگی تا کہ پوتے کو دیکھ کر دونوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں جیسا کہ اولاد کی پیدائش اور نسل کے اجراء پر سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے اگر ایسا نہ ہو یعنی حضرت ابراہیم و سارہ علیہما السلام کی حیات میں یعقوب علیہ السلام پیدا نہ ہوں تو یعقوب علیہ السلام کے ذکر کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ آیت قرآنی کی تخصیص حضرت اسحٰق علیہ السلام کی باقی نسل کے سوا صرف حضرت یعقوب علیہ السلام کیلئے اس بات کی شہادت ہے کہ آپ کی ولادت دادا دادی کی حیات میں ہوگی اور انہیں اس طرح خوشی و مسرت ہوگی جس طرح ایک باپ کو اپنے خاندان کے جاری ہونے پر ہوتی ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

ووهبنا له، اسحق ویعقوب کلا هدینا۔ (انعام:84)

"اور ہم نے انہیں (ابراہیم علیہ السلام کو) اسحٰق اور یعقوب عطا کیے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی"۔

دوسری جگہ یوں ارشاد ہے:

فلما اعتزلهم وما یعبدون من دون الله وهبنا له اسحق ویعقوب۔ (مریم:49)

"پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے (ابراہیم) کنارہ

کر گیا ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام عطا کیے''۔

امتحان میں کامیابی پر انعام:

جب دنیا والے امتحان میں کامیابی پر انعام سے نوازتے ہیں تو دنیا کا خالق و مالک اتنے بڑے امتحان کے بعد اپنے خلیل کو کیوں نہ انعامات سے نوازے گا فرق یہ ہے کہ دنیا والے اپنی شان کے مطابق انعام عطا کرتے ہیں اور خلاق عالم نے اپنی شان صمدیت کے مطابق اپنے پیارے خلیل علیہ السلام کو انعامات سے نوازا اور وہ اس طرح کہ نمرودی آگ کی آزمائش میں کامیابی پہ اسماعیل علیہ السلام جیسا فرزند عطا کیا وہ بھی اللہ کا نبی۔ پھر مندرجہ بالا امتحان میں کامیابی پر دوسرا بیٹا دیا وہ بھی اللہ کا نبی اسحٰق علیہ السلام پھر پوتا عطا کیا یعقوب علیہ السلام وہ بھی اللہ کا نبی پھر پڑپوتا عطا فرمایا یوسف علیہ السلام وہ بھی اللہ کا نبی۔

؎ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

سب سے زیادہ عزت والا کون؟:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: ای الناس اکرم؟ سب سے زیادہ عزت والا لوگوں میں کون ہے؟ فرمایا:

یوسف نبی اللّٰہ ابن نبی اللّٰہ ابن نبی اللّٰہ ابن خلیل اللّٰہ۔

''یوسف علیہ السلام جو نبی کا بیٹا، نبی کا پوتا اور خلیل اللہ علیہ السلام کا پڑپوتا ہے''۔

(بخاری 679/2)

ایک مقام پہ یہی مفہوم ان لفظوں میں بیان فرمایا:

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم۔

کریم کا بیٹا، پوتا، پرپوتا (کون ہے؟)

''یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم''۔

قرآن مجید کے صرف پہلے پارے کے آخری ایک رکوع میں تین مرتبہ ان بزرگوں

کا اکٹھا نام آیا ہے۔ (دیکھئے آیت: 133، 136، 140)

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

ایک مجتہد کی دعا:

تفسیر کشاف 56/4 پہ بنی اسرائیل کے ایک مجتہد کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ جب بھی دعا کرتا تو اپنی دعا کا آغاز ان لفظوں سے کرتا۔

اللّٰھم اله ابراهیم واسماعیل واسرائیل۔

''اے اللہ جو ابراہیم، اسماعیل اور یعقوب علیہم السلام کا معبود ہے''۔

ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے اللہ! میں تیرا کلیم ہوں تو نے مجھے نبوت و رسالت سے نوازا ہے لیکن یہ مجتہد میرے ہی دور میں ان تین ہستیوں کے وسیلے سے دعا کرتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

یٰموسٰی لم یحبنی احد حب ابراهیم قط ولا خیر بینی وبین شیٔ الا اختارنی۔

''اے موسیٰ! مجھ سے بڑے بڑوں نے محبت کی ہے مگر ابراہیم کی طرح کسی نے بھی محبت نہیں کی اور جب بھی میرے اور کسی شی کے درمیان ان کو اختیار دیا گیا ہے انہوں نے مجھے ہی ترجیح دی ہے''۔

واما اسماعیل فانه جاد بدم نفسه۔

''اور اسماعیل علیہ السلام کی تو بات ہی کیا ہے انہوں نے تو اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا''۔

واما اسرائیل فانه لم ییأس من روحی فی شدة نزلت به قط۔

اور یعقوب علیہ السلام کی کیا بات کرتے ہو وہ تو اتنی بڑی تکلیف میں بھی میری رحمت سے مایوس نہ ہوا۔ (عن محمد بن کعب القرظی)

اللہ رب العالمین نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ انعام بھی عطا فرمایا کہ قیامت تک ان پر اور ان کی آل پر امت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام سے نماز کی حالت میں درود پڑھوا دیا۔ اور مندرجہ ذیل امور فطریہ میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا پیروکار بنا کر ملت ابراہیم پہ اپنے نبی کی امت کو کاربند فرما دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگاریں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت طیبہ: **واذابتلی ابراھیم ربہ بکلمت فاتمھن** اور جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔

اس میں دس طہارتوں کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا جن میں سے پانچ طہارتوں کا تعلق سر کے ساتھ اور پانچ کا تعلق جسم کے ساتھ تھا وہ پانچ طہارتیں جن کا تعلق سر کے ساتھ ہے وہ درج ذیل ہیں۔ مونچھوں کو تراشنا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا اور سر میں مانگ نکالنا اور جن پانچ طہارتوں کا جسم کے ساتھ تعلق ہے وہ یہ ہیں ناخن کاٹنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا، ختنہ کرانا، بغلوں کے بال صاف کرنا، بول و براز سے فراغت کے بعد پانی سے استنجا کرنا۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امور فطریہ پانچ ہیں۔ ختنہ کرنا، شرم گاہ کے بال مونڈنا، مونچھوں کو تراشنا، ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال صاف کرنا۔ (صحیحین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے شلوار زیب تن کی، سب سے پہلے بالوں میں مانگ نکالی اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے زیرِ ناف بالوں کو صاف کیا اور سب سے پہلے ہیں جنہوں نے قدوم (آلے)

کے ساتھ ختنہ کیا۔ اس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور اس کے بعد اسی سال تک آپ حیات رہے اور آپ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمان نوازی کی اور آپ سب سے پہلے شخص ہیں جن کے بال سفید ہوئے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مہمانوں کی میزبانی کی اور لوگوں میں سب سے پہلے ہیں جنہوں نے ختنہ کیا اور سب سے پہلے آپ نے ہی مونچھیں کاٹیں اور سب سے پہلے آپ ہی بوڑھے ہوئے جب بڑھاپے (سفید بالوں) کو دیکھا تو عرض کی الٰہ العالمین یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ عزت و وقار ہے۔ عرض کی اس وقار میں اضافہ فرما۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک سو بیس سال کی عمر میں قدوم (کلہاڑے یا تیشے) کے ساتھ اپنا ختنہ کیا بعد ازاں آپ اسی سال حیات رہے۔ (ابن حبان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہوئی تب آپ نے اپنا ختنہ کیا اور اس کے بعد اسی سال آپ نے زندگی گزاری اور آپ نے ختنہ قدوم کے ساتھ کیا تھا۔

ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے توسط سے ذکر کیا ہے کہ جب آپ نے ختنہ کیا اس وقت آپ اسی سال کی بہاریں دیکھ چکے تھے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ القدوم ایک بستی کا نام ہے (جہاں آپ نے ختنہ کیا) نہ کہ آلہ کا نام۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں ایک روایت میں ہے: انه اختتن وقد اتت علیه ثمانون سنة اور دوسری روایت میں ہے: وھو ابن ثمانین سنة۔

اہلِ توراۃ کے نزدیک یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام تمام غلاموں اور دیگر لوگوں کا ختنہ کریں۔ آپ نے اس حکم کی بجا آوری کی اس وقت آپ کی عمر مبارک کے ننانوے سال بیت چکے تھے۔ حضرت

اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ برس تھی۔ آپ نے حکم خداوندی کی فوراً تعمیل کی یہ امر اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ آپ نے یہ حکم واجب وضروری سمجھ کر پورا کیا اسی لیے علماء کے اقوال میں سے ہے کہ ختنہ کرنا مردوں پر واجب ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک اسی برس تھی جب آپ نے قدوم (کلہاڑے) کے ساتھ اپنا ختنہ کیا۔

(خلاصہ تفاسیر روح المعانی، کشاف زیر آیت **فلما بلغ معه السعی** قصص الانبیاء اور دیگر کتب سے لیا گیا ہے)

تسبیح ملائکہ اور ابراہیم علیہ السلام:

یاد رہے کہ ان بڑے بڑے امتحانات کے علاوہ بھی ابراہیم علیہ السلام پہ آزمائش و امتحان کے ادوار آتے رہے چنانچہ ایک بار فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ! ہم تیرے خلیل کو آزمانا چاہتے ہیں کہ وہ واقعی صرف تیرے ساتھ ہی محبت کرتے ہیں یا تیرے علاوہ اور کوئی محبت بھی ان کے دل میں کسی کی ہے۔ ان دنوں ابراہیم علیہ السلام کے پاس بے شمار بکریاں تھیں جو آپ چرا رہے تھے۔ فرشتوں نے آ کر ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بڑی خوبصورت آواز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی۔ **سبحان ذی الملك والملكوت**۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ تسبیح سُنی تو مطالبہ کیا کہ دوبارہ میرے رب کا نام لو۔ فرشتوں نے کہا: ہم مفت میں نہیں پڑھیں گے۔ آپ نے آدھی بکریاں دینے کا وعدہ کیا اور فرشتوں کے تسبیح پڑھنے پر آدھی بکریاں ان کے حوالے کر دیں۔ اور پھر فرمائش کی کہ ایک بار پھر میرے رب کی تسبیح کرو اور باقی آدھی بکریاں بھی لے لو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تیسری بار بھی آپ نے تسبیح پڑھنے کو کہا تو فرشتوں نے پوچھا: اب کیا دو گے؟ آپ نے فرمایا: آخر بکریوں کو چرانے والا بھی تو چاہیے۔ تم مجھے میرے رب کا نام سناؤ میں تمہاری بکریاں چراتا پھروں گا۔ فرشتے جان گئے کہ واقعی ابراہیم ایسے خلیل ہیں کہ جن کے دل میں صرف اللہ ہی کی محبت ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا تیسرا امتحان

وقال انی ذاهب الي ربی سیهدین.......... لنفسه مبین۔

(الصافات:99تا113)

اور (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔ اب وہ مجھے راہ دے گا الٰہی مجھے لائق اولاد دے تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی پھر جب وہ اس ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں۔ اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟ کہا: اے میرے باپ کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا اس وقت کا حال نہ پوچھ اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو بیشک یہ روشن جانچ (آزمائش) تھی اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیے میں دے کر اسے بچا لیا اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی سلام ہو ابراہیم پر ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو بے شک وہ ہمارے اعلیٰ درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہے اور ہم نے اسے خوشخبری دی اسحٰق کی کہ غیب کی خبریں بتانے والا نبی ہمارے قربِ خاص کے سزاواروں میں اور ہم نے برکت اتاری اس پر اور اسحٰق پر اور ان کی اولاد

میں کوئی اچھا کام کرنے والا اور کوئی اپنی جان پر صریح ظلم کرنے والا"۔

یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے خلیل پر آزمائش تھی کہ آیا خلیل اللہ اپنے اس پیارے بیٹے کو ذبح کرتے ہیں جو انہیں کبرسنی میں عطا ہوا اور اس سے قبل بھی سن رسیدہ عمر میں آپ کو یہ حکم مل چکا تھا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آئیں۔ وہ وادی جہاں پر نہ گھاس کا تنکا تھا اور نہ کوئی روس چیز، نہ کوئی کھیتی اور نہ کوئی پودا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور ماں، بیٹے دونوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ اور توکل کر کے وہاں چھوڑ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فرمانبرداری پر دونوں کیلئے کشادگی کی راہیں کھول دیں اور دونوں کو وہاں سے رزق فراواں عطا کیا جہاں سے ان کا وہم وگمان بھی نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جناب خلیل علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا اور یہ حکم ابراہیم علیہ السلام کیلئے منفرد تھا۔ اسماعیل علیہ السلام آپ کے اکلوتے فرزند تھے ان کے سوا آپ کی کوئی دوسری اولاد بھی نہ تھی بڑی سخت آزمائش تھی لیکن آپ نے اپنے رب کے حکم کو قبول کیا حکمِ الٰہی کی بجا آوری اور اطاعتِ الٰہی میں جلدی کرنے لگے۔ پھر اس حکمِ الٰہی کو اپنے لختِ جگر پر پیش کیا تا کہ وہ قلبی و ذہنی اعتبار سے آسانی اور خوشی سے قبول کرے بصورت دیگر حکمِ الٰہی کی خاطر جبراً تو انہیں ذبح کرنا ہی ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر:

خالق کائنات نے فرمایا: **فلما اسلما وتله للجبين** تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔

اَسْلَمَا سے مراد ہے کہ والد نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا، تا کہ انہیں گدی کی طرف سے ذبح کریں اور ذبح کے وقت بیٹے کی حالت کو دیکھ نہ پائیں۔ ابن عباس، مجاہد، ابن جبیر، قتادہ اور ضحاک علیہم الرضوان نے اسی طرح کہا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انہیں پہلو کے بل لٹایا تھا جس طرح عام طور پر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کیلئے لٹایا جاتا

ہے اور پیشانی کا ایک حصہ زمین سے ملا ہوا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا نام لیا تکبیر کہی اور بیٹا ذبح ہونے اور موت کو گلے لگانے کیلئے تیار ہو گیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں چھری حلق پر چل گئی لیکن اس نے بال بھی بیکا نہ کیا بلکہ مذکور ہے کہ چھری اور حلق کے درمیان تانبے کا پترا حائل ہو گیا تھا۔ (واللہ اعلم)

تب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ندا آئی: **ان یا براھیم قد صدقت الرؤیا۔**

اے ابراہیم! بیشک تو نے خواب سچا کر دکھایا۔

یعنی آزمائش، فرمانبرداری اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں سبقت کے مقاصد تو نے حاصل کر لیے اور تیرے لختِ جگر نے بھی قربانی کیلئے اپنے آپ کو یوں پیش کر دیا جس طرح تم نے اپنے آپ کو آگ میں کودنے کیلئے پیش کیا تھا اور جس طرح تم نے اپنا مال مہمان نوازی کیلئے وقف کر دیا تھا اس لیے تو فرمانِ خداوندی ہوا:

ان ھذا لھو البلٰؤ المبین۔

''بیشک یہ روشن جانچ (آزمائش) تھی''۔

وفدیناہ بذبح عظیم۔

''اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدے میں دے کر اسے بچا لیا''۔

یعنی بیٹے کی قربانی کے عوض اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے آسانی پیدا فرماتے ہوئے دوسرا جانور عطا فرما دیا۔

فدیہ میں دیا جانے والا ذبیحہ جمہور کے نزدیک ایک سفید رنگ کا خوبصورت آنکھوں اور سینگوں والا مینڈھا تھا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ثبیر میں ببول کے درخت سے بندھا ہوا دیکھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مینڈھا جنت میں چالیس سال تک چرتا رہا۔

حضرت سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں چرتا رہا اور پھر جنت

سے جبل ثبیر پہ آیا اس پر سرخ رنگ کی اون تھی۔

خلاصۂ تفاسیر:

جب اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر نو سال یا بقول امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ (**قال بعضهم كان فى ذلك الوقت ابن ثلاث عشرة سنة**) تیرہ سال ہوئی تو ذوالحجہ کے سات دن گذر جانے کے بعد آپ نے خواب دیکھا۔ **كان قائلا يقول ان الله يامرك بذبح ابنك هذا**۔ گویا کہ کوئی کہہ رہا ہے "بیشک اللہ تعالیٰ تجھے یہ بچہ ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ آپ سارا دن سوچتے رہے کہ کیا یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا فقط خیال ہے۔ اسی بنا پر اس آٹھویں ذوالحجہ کے دن کو "یوم الترویہ" یعنی سوچ و بچار کا دن کہا گیا، اگلی رات پھر یہی خواب آیا۔ **فلما اصبح عرف ان ذلك من الله**۔ تو آپ نے پہچان لیا کہ یہ حکم اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ چنانچہ اس دن کا نام "یوم عرفہ" قرار پایا یعنی پہچان کا دن۔ اگلی رات پھر یہی خواب آیا تو آپ نے اس دن اس خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس دن کو یوم النحر (ذبح کرنے کا دن) قرار دیا گیا۔ (تفسیر کبیر)

بعض نے چار رات خواب کا آنا بیان کیا ہے اور ہر رات خواب آنے پر دن کو دو سو اونٹ ذبح کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ آپ نے رسی اور چھری لی اور گھر میں بتایا کہ ہم جنگل سے لکڑیاں لینے یا سیر کرنے یا کسی بڑے کی دعوت پہ جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو بتایا: **انى ارنى فى المنام انى اذبحك فانظر ماذا ترىٰ**۔

بعض کتابوں میں یہ ہے کہ جب آپ نے یہ دعا کی: **رب هب لى من الصالحين**۔ تو اسی وقت فرمایا گیا۔ **هو اذا الله ذبيح**۔ کہ ٹھیک ہے ہم نیک بیٹا دیتے ہیں لیکن وہ میری بارگاہ میں ذبیح ہوگا اور جب آپ (اسماعیل علیہ السلام) پیدا ہوئے تو حکم ہوا: "**اوف بنذرك**"۔ اپنی نظر پوری کرو۔

بہر حال اس سے مفسرین نے استدلال فرمایا کہ

اللہ کے نبی کا خواب بھی وحی کی طرح حق ہوتا ہے:

هذا يدل على ان رؤيا الانبياء وحي واجب الامتثال ان الله تعالٰى جعل رؤيا الانبياء عليهم السلام حقا۔

''اللہ کے نبی کا خواب بھی وحی کی طرح حق اور واجب العمل ہوتا ہے''۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے خوابوں کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں:

1- جیسے خواب دیکھا ہے بعینہٖ اسی طرح واقع میں ہو جائے جس طرح حضور علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ بمع اپنے صحابہ کرام کے آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں اور بعض نے سر منڈائے ہیں اور بعض نے بال کٹوائے ہیں، ٹھیک ایک سال کے بعد بعینہٖ اسی طرح ہوا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بمع صحابہ کرام کے مکہ شریف میں داخل ہوئے۔ بعض نے سر منڈائے اور بعض نے بال کٹوائے۔ جس کا ذکر سورۂ فتح کی اس آیت میں ہے:

لقد صدق الله رسوله الرؤيا بالحق لتد خلن المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلقين رؤسكم ومقصرين لا تخافون۔

2- محض امتحان کیلئے خواب آیا عمل کرنے کی نوبت نہ آئی ہو جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹا ذبح کرنے کا حکم دینا۔

3- جو چیز خواب میں نظر آئی ہے بعینہ وہی مراد نہ ہو بلکہ اس کی کوئی نہ کوئی تعبیر و تاویل یا اس کے مشابہ کوئی واقعہ ہو۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کا خواب **انى رايت احد عشر كوكبا والشمس والقمر رايتهم لى ساجدين۔** کہ میں نے دیکھا گیارہ ستارے اور چاند سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اور جب گیارہ بھائی اور والدین آپ کیلئے سجدے میں جھک گئے جو ان کی شریعت میں جائز تھا۔ **(وخروا له سجدا)** تو آپ نے فرمایا: **هذا تاويل رئوياى من قبل قد**

جعلها ربی حقا۔ یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جس کو اللہ نے حق کر دکھایا۔
(تفسیر کبیر 157/26)

سوال: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اتنے بڑے کام کا حکم بیداری میں دینے کی بجائے خواب میں کیوں دیا حکم اتنا بڑا اور ذریعہ اتنا کمزور۔

جواب: یہ بتانے کیلئے کہ نبی کا خواب بھی بیداری کی طرح ہوتا ہے یا اس لیے کہ نبی کی آنکھ خواب میں بھی خطا کرنے سے پاک ہے یا اس لیے کہ عام لوگ مسلمان کہلا کر بیداری میں بھی اللہ کا حکم پا کر سستی کر جاتے ہیں جس طرح اس دور کے مسلمان نماز کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں اور قربانی سے بچنے کیلئے طرح طرح کے بہانے تراشتے ہیں کہ ہمارا فلاں رشتہ دار فوت ہو گیا ہے اس لیے قربانی نہیں کر رہے۔ ہماری برادری بہت بڑی ہے ایک قربانی کیا کرے گی، ہم نے بیٹے کی شادی کر لی ہے یا بیٹی کی شادی عید کے بعد کرنی ہے اس لیے قربانی نہیں کر سکتے اور بعض بدبخت تو مذاق کرنے سے بھی باز نہیں آتے ایک شخص کہنے لگا ہمارے گھر میں فریج نہیں ہے اس لیے قربانی نہیں کر رہا۔ تو اللہ تعالیٰ کے واضح احکامات کو حیلوں بہانوں سے ٹالنا ہم جیسے نکموں کا کام ہے اور خواب میں اشارہ پا کر بڑھاپے کی حالت میں بیٹے کی گردن پہ چھری چلا دینا یہ ابراہیم خلیل اللہ کا کام ہے۔

لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہ خلیل اللہ ہی کی شان ہے کہ اپنے ہاتھوں سے بیٹے کی گردن پہ چھری چلا رہے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے ہیں کہ اگر تو ہمیں بچا کر راضی ہے تو ہم بچ کر راضی ہیں اور اگر تو اسماعیل کو کٹا کر راضی ہے تو میں بھی اس کی گردن پہ چھری چلا کر خون کی ندیاں بہا کر راضی ہوں۔

سوال: جب اللہ نے خود ہی حکم دیا کہ بیٹا ذبح کرو اور جب ابراہیم علیہ السلام اس حکم پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو گئے تو خود ہی چھری کو حکم دیا کہ خبردار! جو اسماعیل علیہ السلام کا بال بھی کاٹا۔ بلکہ جب ابراہیم علیہ السلام نے پوری تیاری کر لی، بیٹے کی آنکھوں پہ پٹی باندھ لی

اور منہ کے بل لٹا دیا اور چھری کو تیز کر کے چلایا تو نہ چل سکی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ کہیں تعمیل ارشاد میں کوتاہی تو نہیں ہو گئی چھری کو پتھر پہ مارا تو پتھر کٹ گیا مگر اسماعیل علیہ السلام کے ریشم سے بھی زیادہ نرم گلے کو نہ کاٹا تو چھری نے اللہ تعالیٰ سے زبان مانگی اور یہ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام کی حیرانگی کو دور کیا کہ

الخلیل یامرنی بالقطع مرة والجلیل ینھانی سبعین مرة۔

"پیارا خلیل تو کاٹنے کا مجھے ایک مرتبہ حکم دیتا ہے اور ربّ جلیل مجھے نہ کاٹنے کا سو مرتبہ حکم دیتا ہے"۔

حکم دِتا رب اوس دہاڑے ستر وار چھری نوں
دوزخ سڑسیں جے دُکھ دِتا اسماعیل نبی نوں

جواب 1: دو لفظی جواب یہ ہے کہ خدا نے کائنات کو دکھانا تھا کہ میرے ایسے ایسے بھی یار ہیں کہ اگر بچے قربان کرنے کا حکم دوں تو اس پر بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

جواب 2: گلا کٹ کیسے سکتا تھا کہ اسماعیل علیہ السلام کی پیشانی میں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم چمک رہا تھا اور ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں جلوہ گر ہونا تھا۔
(المعجم الکبیر 262/2)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو، کنانہ کی اولاد میں سے قریش کو، قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔ (صحیح مسلم: حدیث 5828)

بلکہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو نورِ مصطفیٰ کی برکت سے، نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے لگی تو نورِ مصطفیٰ کا صدقہ، ابراہیم علیہ السلام پہ آگ گلزار بنی تو اسی نور کی برکت سے۔
(تفصیل دیکھئے دلائل النبوۃ للبیہقی 489/5، البدایہ والنہایہ 81/1، مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ 96/2، ابن ماجہ حدیث 3127)

جواب 3: اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح ہو جاتے تو پھر جانور ذبح کرنے کا نام قربانی نہ ہوتا بلکہ اولاد کو ذبح کرنا پڑتا، تو جو مسلمان کہلا کر صاحب حیثیت ہو کر جانور

ذبح کرنے کی قربانی سے بچنے کے سو بہانے بناتے ہیں کیا ان سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اولاد کو ذبح کرنے پہ تیار ہو جاتے، ہرگز نہیں۔

؎ ایں خیال است و محال است و جنون

سوال: پھر یہ کیوں فرمایا: **قد صدقت الرؤیا**۔ کیونکہ خواب تو یہ تھا کہ ذبح کر رہا ہوں (اذبحک) جبکہ ذبح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

جواب: **اذبحك** کا معنیٰ یہ نہیں کہ میں نے ذبح کر دیا ہے بلکہ ذبح کر رہا ہوں اس کا معنیٰ ہے اور ذبح کر رہا ہوں کا مطلب یہ ہے کہ گردن پہ چھری چلا رہا ہوں جو انہوں نے چلا دی، اب اگر چھری نے گلا نہیں کاٹا تو اس میں ابراہیم علیہ السلام کے فعل میں کمی نہیں انہوں نے تو ہاتھ پاؤں باندھ دیے، آنکھوں پہ پٹی باندھ کر بیٹے کو منہ کے بل لٹا دیا اور چھری کو تیز کر کے چلا دیا اب چھری میں کٹنے کا عمل پیدا کرنا تو حکم دینے والے کا کام تھا۔

یہاں یہ سوال کرنا فضول ہے کہ کیا ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا پیارا نہیں تھا کہ خود اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا کاٹ رہے ہیں۔ کیونکہ

؎ دلِ ناشاد کی حالت دلِ ناشاد ہی جانے
غمِ اولاد کوئی صاحبِ اولاد ہی جانے

پیارے تھے مگر اس سے بھی پیارے کا حکم تھا تو پیارے (رب) کے حکم پر پیارا (ابراہیم) اپنے پیارے (اسماعیل) کو کیوں نہ قربان کر دیتا۔ جب ہمیں اپنی نافرمان اولاد بھی پیاری ہے تو ابراہیم نبی کو اپنا نبی بیٹا کیوں نہ پیارا تھا۔ مگر اس پیارے کا حکم تھا کہ جس کے حکم پہ ایسے سینکڑوں پیارے ابراہیم پیارا ذبح کر دینا اپنے لیے سعادت سمجھتا تھا۔

؎ کروں تیرے نام پہ جاں فدا
نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا
کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

الغرض! باپ سے یہ پوچھنا کہ تجھے اپنا بیٹا پیارا نہیں؟ یہ سوال ہی عجیب ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ بیٹا ذبح کر۔ **توفانظر ماذا تریٰ** کہنے کی اور بیٹے سے یہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی کہ تیری کیا رائے ہے؟ کیا اگر اسماعیل علیہ السلام ذبح ہونے سے انکار کر دیتے تو ابراہیم اللہ کے حکم پہ عمل نہ کرتے یا حکم الٰہی کے بعد رائے طلب کرنے کا کیا مطلب؟

جواب 1: وہ بیٹا ہمارے بیٹوں کی طرح نہ تھا بلکہ نبی اللہ کا نبی اللہ بیٹا تھا اور ہر کوئی اپنی اپنی اولاد کے بارے خوب جانتا ہے۔

جواب 2: اگر بغیر پوچھے کر گزرتے تو آج جو بے دین خدا پہ بھی کئی قسم کے اعتراضات کر دیتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کو کیسے معاف کرتے اور کہہ دیتے کہ اسماعیل تو بچے تھے ان کی مرضی ذبح ہونے پہ نہ تھی، ابراہیم علیہ السلام نے پکڑ کر زبردستی ان کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔

جواب 3: تاکہ خیر کے کاموں میں مشورہ کرنا جہاں سنتِ مصطفیٰ ہے وہاں سنت خلیل اللہ بھی بن جائے اور اگرچہ کوئی چھوٹا بھی ہو پھر بھی اس سے مشورہ کرنے میں حرج نہ سمجھا جائے کہ جب خدا فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کے سلسلہ میں مشورہ فرما سکتا ہے، ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام سے مشورہ کر سکتے ہیں تو ہم بھی مشورہ کر لیا کریں کہ مشورہ کرنے میں برکت بھی ہے حکمِ خدا بھی ہے اور سنتِ مصطفیٰ بھی ہے۔ **(وشاورھم فی الامر۔ وامرھم شوریٰ بینھم)**

کسی کا ایسا بیٹا ہوگا؟:

پیدا ہوتے ہی ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئے نہ وہاں کھانے کا انتظام نہ پینے کا اور پھر جنگل کی مشکلات اور درندوں، ڈاکوؤں کے خطرات اس کے علاوہ ہیں۔

اور **فلما بلغ معه السعی**۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پال دیا اور بیٹا چلنے

پھرنے کے قابل ہو گیا۔ تو باپ آ گیا اور کہا:

انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ۔

میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں بتا تیری کیا "صلاح" ہے؟

اگر آج کل کا بیٹا ہوتا تو ایک کی سو سناتا اور کہتا: کیا ایسے ہی باپ ہوتے ہیں کہ پہلے تو مجھے دودھ پیتے کو اور میری ماں کو جنگل میں چھوڑ گئے ہو اور ٹھوکریں کھا کھا کر پل ہی گیا ہوں تو اب جب ملے ہی ہو تو کہہ رہے ہو میں تجھے ذبح کرنا "چاہتا" ہوں۔

گر ہم وفادار نہیں تو بھی تو دلدار نہیں

حالانکہ ہمارے بچے سکول، کالج، مدرسوں اور استاد سے پڑھے ہوئے ہوتے ہیں مگر پھر بھی معمولی باتوں پہ کیا کیا نہیں ہو جاتا اخبارات گواہ ہیں کہ اولاد والدین کو قتل کر رہی ہے۔

مگر ابراہیم کا بیٹا کس استاد کے پاس کس ادارے میں پڑھا تھا؟ جو باپ کے اتنے بڑے سوال پہ جواب دے رہا ہے۔

یابت افعل ما تؤمر۔ "اے ابا! جو آپ کو حکم ہوا ہے کر گذریئے"۔ باقی رہی یہ بات کہ میں چھوٹا ہوں یا معاملہ ذبح ہونے کا ہے تو اس کی فکر نہ کیجیے۔ **ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔** آپ مجھے انشاءاللہ صبر کرنے والا پائیں گے"۔

ذرا اس نازک مرحلے کو شاعر اسلام حفیظ جالندھری کی زبان میں بھی پڑھ لیجیے۔

اٹھا مرسل اسی عالم میں رسّی اور تبر لے کر
پئے تعمیل چل نکلا خدا کا پاک پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)
پہاڑی پر سے دی آواز اسماعیل! ادھر آؤ
یہاں آکر خدائے پاک کا ارشاد سن جاؤ
پدر کی یہ صدا سن کر پسر دوڑا ہوا آیا
رکا ہرگز نہ اسماعیل گو شیطاں نے بہکایا

پدر بولا کہ بیٹا آج میں نے خواب دیکھا ہے
کتاب زندگی کا اک نرالا باب دیکھا ہے
یہ دیکھا ہے کہ میں خود آپ تجھ کو ذبح کرتا ہوں
خدا کے نام سے تیرے لہو میں ہاتھ بھرتا ہوں
سعادت مند بیٹا جھک گیا فرمانِ باری پر
زمین و آسماں حیران تھے اس طاعت گزاری پر
کہا فرزند نے اے باپ اسماعیل حاضر ہے
خدا کے حکم پر بندہ پئے تعمیل حاضر ہے
مگر آنکھوں پر اپنی پٹی باندھ لیجیے گا
میرے ہاتھوں میں اور پاؤں میں رسّی باندھ لیجیے گا
لٹایا اور گھٹنا سینۂ معصوم پر رکھا
چھری پتھر پہ رگڑی ہاتھ کو حلقوم پر رکھا
ہوئے اب ہر طرح تیار دونوں باپ اور بیٹا
چھری اس نے سنبھالی تو وہ جھٹ قدموں میں آلیٹا
یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی
زمیں سہمی پڑی تھی آسماں ساکن تھا بے چارہ
نہ اس سے پیشتر دیکھا تھا یہ حیرت کا نظارہ
پدر تھا مطمئن بیٹے کے چہرے پر بحالی تھی
چھری حلقوم اسماعیل پر چلنے ہی والی تھی
مشیت کا مگر دریائے رحمت جوش میں آیا
کہ اسماعیل کا اِک رونگٹا کٹنے نہیں پایا

ہوئے جبریل نازل اور تھاما ہاتھ حضرت کا
کہا بس امتحاں مقصود تھا ایثار و جرأت کا
غرض دنبہ ہوا قربان اسمٰعیل کے بدلے
ہوئی یہ سنت اس ایمان کی تکمیل کے صدقے
خطاب اس دن سے اسمٰعیل نے پایا ذبیح اللہ
خدا نے آپ ان کے حق میں فرمایا ذبیح اللہ

(شاہنامہ اسلام 57/1)

سوال: قرآن مجید میں **وفدینہ بذبح عظیم** فرمایا گیا۔تو دنبہ ذبح عظیم کیسے ہو گیا؟ نبی سے بڑا ہوتا تو عظیم ہوتا۔ جتنا بھی شان والا تھا آخر نبی اللہ کی قربانی کے مقابلے میں تو عظیم نہیں ہوسکتا۔

جواب1: عظیم کا معنی ہے بہت بڑا اور وہ دنبہ چونکہ جنت سے لایا گیا تھا اور جنت کی ہر چیز دنیا کے مقابلے میں بڑی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

یہ دنبہ چالیس سال جنت میں چرتا رہا (عن ابن عباس) اس کے بارے میں دیگر روایات مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ مینڈھا جبل ثبیر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ممیاتا ہوا آیا پس آپ نے اسے ذبح کر دیا اور یہی وہ مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیل نے دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی۔(ابی حاتم)

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے منیٰ میں اسے ذبح کیا۔عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ مقام ابراہیم کے پاس اسے ذبح کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ پہاڑی بکرا تھا اور حضرت حسن

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ پہاڑی بکروں کی ہی ایک قسم کا جنگلی بکرا تھا اور اس کا نام ''جریر'' تھا ممکن ہے کہ یہ دونوں نظریات درست نہ ہوں۔

قرآن پاک میں جو ہے وہ اس قدر ہی کافی ہے کہ یہ امر عظیم اور واضح روشن آزمائش تھی اور ابراہیم علیہ السلام نے ذبح عظیم کی قربانی دی، حدیث میں وارد ہے کہ وہ فدیہ مینڈھا تھا۔ (امام ابنِ کثیر)

جواب2: جو چیز اللہ کی راہ میں کام آجائے اور قبول ہو جائے وہ چاہے چھوٹی ہو مگر اللہ کے ہاں بڑی ہی ہوتی ہے۔

جواب3: دنبہ شعائر اللہ میں شامل ہو کر بڑا ہو گیا۔ جب پتھر شعائر اللہ ہو جائیں تو ان کا مقابلہ دنیا بھر کے بڑے بڑے پہاڑ بھی نہیں کر سکتے۔ (**ان الصفا والمروة من شعائر الله**) اور (**ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب**) یہ تو پھر جنت کا دنبہ تھا اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں آیا تھا۔

جواب4: عشاق کہتے ہیں کہ خالی وہ دنبہ نہیں بلکہ اس کے خون کے ساتھ صحابہ واہل بیت کے شہداء کا خون بھی شامل کیا جائے اور میدان احد میں امام الانبیاء کی قربانی بھی شامل کی جائے تو پھر واقعی وہ ذبح عظیم ہے۔

دنبے کے سینگ اور سر کے متعلق روایات:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس دنبے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا وہ اسی کی نسل سے تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے کی تھی اور وہ قربانی قبول بھی کر لی گئی تھی اور وہ دنبہ سرگین (اور بڑی) آنکھوں والا تھا اور اس کی اون سرخ رنگ کی تھی۔ (الکامل فی التاریخ 64،63/1)

ایک روایت میں ہے کہ اس دنبے کے سینگ سفید تھے۔

صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ مجھے قبیلہ بنو سلم کی ایک عورت نے بتایا جو عموماً ہمارے اہلِ خانہ سے جھگڑتی تھی اس نے کہا کہ حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان

بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کچھ فرمایا۔ میں نے پوچھا کہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس لیے بلایا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے عثمان میں نے مینڈھے کے دو سینگ دیکھے تھے جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تھا تو مجھے بتانا یاد نہ رہا کہ ان سینگوں کو ڈھانپ دو، مناسب نہیں کہ بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز موجود ہو جو نمازی کو اپنی جانب مشغول کرلے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مینڈھے کے سینگ بیت اللہ میں لٹکے رہے حتیٰ کہ جب بیت اللہ کو آگ لگ گئی تو اس وقت وہ بھی جل گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مینڈھے کا سر میزاب رحمت (کعبہ کے پرنالے) کیساتھ لٹکتا رہا یہاں تک خشک ہوگیا۔ (مسند احمد 69/4، البدایہ والنہایہ 235/1)

واقعہ قربانی اسماعیل علیہ السلام کی دیگر جزئیات:

مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزندِ ارجمند کو لے کر شبیر نامی پہاڑ کی گھاٹی کی طرف ذبح کرنے کیلئے جا رہے تھے تو شیطان، انسان کے بھیس میں دوست بن کر آپ کو اس کام سے روکنے کیلئے آیا اور کہنے لگا:

این ترید ایها الشیخ انی لارنی ان الشیطان قد جائك فی منامك فامرك بذبح ابنك هذا۔

کہاں کا ارادہ ہے اے شیخ! شاید کہ رات خواب میں شیطان نے آ کر تجھے بیٹا ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔

یہ بھی اللہ کے خلیل تھے پہچان گئے کہ جو اللہ کے حکم پہ عمل کرنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے یقیناً شیطان ہی ہوسکتا ہے۔ وہ تین مرتبہ آیا۔ آپ نے تینوں بار اس کو سات سات کنکر مارے اور فرمایا: الیك عنی یا عدو اللّٰہ۔

بس کر لعین اپنی قال و قیل بھی
میں بھی تیار ہوں میرا اسماعیل بھی

جن مقامات پر اس کو کنکر مارے آج ان کے نام جمرہ اولی، وسطی اور عقبیٰ ہیں اب وہاں پتھر کے بڑے بڑے نشانات ہیں خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو بھی حج کا حصہ بنادیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو تو شیطان نظر آیا تھا اس لیے انہوں نے پتھر مارے، تمہیں نظر آئے یا نہ آئے پتھر ضرور مارو تاکہ یار کی یاد تازہ ہو جائے میں خوش ہو جاؤں اور تمہارا حج ہو جائے۔ اگر چہ مارتے مارتے خود مر جاؤ جس طرح کہ اس سال بھی اس مقام پہ چار سو حاجی شہید ہو گئے۔

جب ابراہیم علیہ السلام کے سامنے شیطان کی دال نہ گلی تو اسماعیل علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کرنے لگا کہ تیرا باپ تجھے ذبح کرنے لے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیوں؟ تو کہنے لگا: اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے حکم دیا ہے بھلا کوئی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کرتا ہے۔ فرمایا: اگر رب نے حکم دیا ہے تو میں سو بار بھی ذبح ہونے کیلئے تیار ہوں۔

فليفعل ما امر به ربه سمعا و طاعة۔

''میرے ابا کو رب کا حکم خوشی سے بجالانا چاہیے''۔

جب یہاں بھی بات نہ بنی تو سوچا کہ اسماعیل کی ماں کے پاس جاتا ہوں مائیں زیادہ نرم دل ہوتی ہیں ان کو سمجھالوں گا مگر جانتا نہ تھا کہ وہ بھی اسماعیل کی ماں ہیں۔

کہنے لگا: تیرے بڑھاپے کا سہارا ٹوٹ جائے گا، نسل ختم ہو جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

بی بی ہاجرہ نے فرمایا: ایک اسماعیل نہیں ہزاروں بھی ہوں تو رب کے حکم پہ قربان ہیں۔ **فقد احسن ان يطيع ربه۔**

بہت اچھا ہے کہ ابراہیم اپنے رب کی بات مانیں۔

جب ابراہیم علیہ السلام مقام ذبح پہ پہنچے اور اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کا آغاز کرنے لگے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا:

''اے ابا جان! میرے ہاتھ پاؤں رسی کے ساتھ مضبوطی سے باندھ لیں''۔

حتی لا اضطرب واکفف عنی ثیابك حتی لا ینتضح علیها من دمی شیٔ فینقص اجری وتراہ امی فتحزن۔

''کہیں ایسا نہ ہو کہ میں تڑپوں (تو تعمیل ارشاد میں شفقت پدری کی وجہ سے نقص آجائے) اور اپنے کپڑے بچا کے رکھیے کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے خون کے چھینٹے آپ کے کپڑوں پہ پڑیں اور میرا اجر کم ہو جائے اور جب میری ماں ان خون کے قطروں کو آپ کے کپڑوں پر دیکھے تو پریشان ہو جائے''۔

اور چھری تیز کر لینا **لیکون اهون علی فان الموت شدید** تا کہ موت کی سختی سے بچ جاؤں کیونکہ موت بڑی سخت ہے۔

کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے موت کے بارے میں:

قدم لنفسك قبل موتك صالحا

واعمل فلیس الی الخلود سبیل

''اپنے مرنے سے پہلے اپنے نفس کیلئے نیکی آگے بھیج اور نیک اعمال کر کیونکہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کا کوئی راستہ نہیں''۔

ماں کی یاد:

واذ اتیت امی فاقرأ علیها السلام منی۔

''اور جب آپ میری امی جان کے پاس جائیں تو ان کو میرا سلام کہیں''۔

وان رایت ترد قمیصی علی امی فافعل فانه عسی ان یکون اسلٰی بها۔

''اگر آپ بہتر سمجھیں تو میری قمیص میری امی جان کے پاس لے جائیں مجھے امید ہے کہ (جب ان کا دل گھبرائے گا) اس قمیص کی وجہ سے ان کے دل کو حوصلہ مل جائے گا''۔

اور ہاں اے ابا جان! جب آپ مجھے ذبح کریں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ

کبنی بوجھی علی جنبی فانك اذ انظرت فی وجھی رحمتنی۔
''میرا چہرہ دوسری طرف کر کے میرے پہلو میں چھپالینا تا کہ جب آپ میرا چہرہ دیکھیں تو کہیں آپ کو ترس نہ آجائے اور حکم پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ ہو جائے''۔

سبحان اللہ! یہ گفتگو سن کر زمین وآسمان پہ بھی لرزہ طاری ہو گیا ہوگا، فرشتوں کو **انی اعلم مالا تعلمون** کا راز معلوم ہو گیا اور شیطان کو **الا عبادك منهم المخلصین** کا منظر نظر آ گیا۔

چنانچہ جبریل امین جنت سے دنبہ لے کر حاضر ہو گئے۔ **و نادینه ان یا ابراھیم، قد صدقت الرؤیا**۔ اللہ فرماتا ہے ہم نے پکارا اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔

تکبیراتِ تشریق:

روایت میں ہے کہ جبریل امین دنبہ لا رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر**۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جبریل علیہ السلام کی آواز پہنچی تو آپ نے کہا: **لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر**۔ ابراہیم علیہ السلام بولے: **اللّٰہ اکبر**۔ اور دنبے نے بول کر کہا: **وللّٰہ الحمد**۔

فبقی سنة اللہ تعالیٰ نے اس کو سنت وطریقہ بنا کر قیامت تک کیلئے قائم رکھا تا کہ چاروں ہستیوں کی سنت پر عمل ہو جائے بلکہ چاروں کے عمل سے میرے حبیب کے امتیوں کو برکت ملے اور چاروں کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ چنانچہ نو ذی الحج کی صبح سے لے کر تیرہ کی عصر تک یہ الفاظ با جماعت نماز کے بعد نمازیوں پر ایک بار کہنا واجب اور تین بار پڑھنا مستحب وافضل ہے۔ (کتب فقہ)

(عجیب اتفاق ہے کہ آج عید الاضحیٰ کے دن بعد نماز عید اس امتحان کے بارے لکھنا شروع کیا ہے اور آج ہی عشاء کی نماز کے بعد اس کو مکمل کر رہا ہوں)

ذبیح اللہ حضرت اسماعیل تھے یا حضرت اسحاق علیہما السلام؟:

یاد رہے کہ امام ابن کثیر کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں سب سے

پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا قبطیہ مصریہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر آپ کی چچازاد حضرت سارہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسحق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر آپ نے یقطن کنعانیہ کی بیٹی قنطورے سے شادی کی ان سے حضرت ابراہم علیہ السلام کے چھ بچے پیدا ہوئے۔ مدین زمران، سرخ، بقشان، نشق اور چھٹے کا نام معروف نہیں۔ پھر اس کے بعد آپ نے حجون بنت امین سے شادی کی اور ان سے پانچ بچے پیدا ہوئے۔ کیسان، سورج، امیم، لوطان، نافس۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التعریف والاعلام'' میں انہیں ذکر کیا ہے۔

اگر چہ جید صحابہ کرام اور تابعین میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف موجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا اسماعیل کو یا اسحاق علیہ السلام کو۔ تاہم دلائل کی قوت کے اعتبار سے نہ صرف قرآن وحدیث بلکہ تورات بھی اسی موقف کی تائید کرتی ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں ہی ذبح کرنے کا حکم نازل ہوا۔

مثلاً تورات میں ہے کہ جس بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا وہ ابراہیم علیہ السلام کا اکلوتا بیٹا تھا۔

(دیکھیے: پیدائش باب 22 آیت 2 تورات صفحہ 21)

اگر چہ آج کے عیسائیوں نے اس جملہ کو بھی بدل دیا ہے اور اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسحاق علیہ السلام کا نام شامل کر دیا ہے۔ حالانکہ اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال پہلے پیدا ہوئے پھر اسحاق علیہ السلام کیسے اکلوتے ہو سکتے ہیں۔ (علاوہ ازیں مزید حوالہ جات بھی تورات کے اندر موجود ہیں لیکن ان کو نقل کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟)

یہودیوں کی تو عادت ہے کہ اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کے کمالات کو انبیاء بنی اسرائیل کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں بالخصوص امام الانبیاء علیہ السلام کے ساتھ تو ان کا رویہ نہایت معاندانہ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہودی اپنے آپ کو اسحاق علیہ السلام کی اولاد سمجھتے ہیں لہٰذا یہ کمال بھی ان کو ہضم نہیں ہو رہا۔ حالانکہ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کسی نبی کی فضیلت پر موقوف نہیں ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اسماعیل علیہ السلام کی قربانی منیٰ یا ایک قول کے مطابق مقام ابراہیم پر

ہوئی اور چار ہزار سال کی تاریخ اس بات پر بھی گواہ ہے کہ اسحٰق علیہ السلام کبھی مکے گئے ہی نہیں پھر ان کی قربانی کا کیا مطلب؟

پھر قرآن مجید میں اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

واسماعیل وادریس وذاالکفل کل من الصابرین۔ (الانبیاء:85)

''اور اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام صابرین میں سے تھے''۔

نیز آپ ہی کے بارے میں ''صادق الوعد'' فرمایا گیا۔ اور اسماعیل علیہ السلام نے ہی اپنے والد ماجد سے وعدہ کیا تھا۔ **ستجدنی انشاء اللّٰہ من الصابرین۔** انشاءاللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔

سورۃ صافات میں پہلے ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے: **رب ھب لی من الصالحین** (پھر اسماعیل علیہ السلام کی) قربانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

وبشرناہ باسحق نبیا من الصالحین۔ کہ ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق علیہ السلام کی بشارت سنائی جو کہ صالحین میں سے ہیں۔ اس لحاظ سے قربانی کا حکم اسماعیل علیہ السلام کیلئے ہی متعین ہوتا ہے۔

اسحٰق علیہ السلام کے متعلق یہ بھی فرمایا گیا: **ومن وراء اسحق یعقوب** کہ اسحٰق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی۔

تو جب حضرت اسحاق علیہ السلام کی پشت سے یعقوب علیہ السلام کا ہونا بیان کیا گیا تو اس بشارت کے پورا ہونے سے پہلے ان کی قربانی کا حکم چہ معنیٰ دارد؟

نیز جو مینڈھا فدیہ کے طور پہ آیا اس کے سینگ کعبہ میں رکھے گئے اور اگر اسحاق علیہ السلام کی قربانی ہوئی ہوتی تو سینگ بیت المقدس میں ہونے تھے نہ کہ خانہ کعبہ میں۔

(الجامع لاحکام القرآن 92،91/15، تفسیر کبیر 153/26)

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں:

حضور علیہ السلام کا اپنے بارے میں یہ فرمانا کہ

انا ابن الذبیحین۔

''میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں''۔

اور ایک اعرابی کا حضور علیہ السلام کو اس اعزازی نام کے ساتھ پکارنا اور آپ کا تبسم فرمانا اور پھر صحابہ کرام کا یہ پوچھنا کہ آپ کس طرح ابن الذبیحین ہیں؟

آپ نے جواباً فرمایا: ایک ذبیح تو اسماعیل علیہ السلام ہیں، میں جن کی اولاد میں سے ہوں اور دوسرے ذبیح میرے باپ ہیں کہ جب میرے دادا حضرت عبدالمطلب نے زمزم کا کنواں کھودتے ہوئے نذر مانی:

لئن سھل اللّٰہ لہ امرھا لیذبحن احد ولدہ۔

''کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کام کو آسان فرمادے تو میں اپنے ایک بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کروں گا''۔

اور جب کام آسان ہوگیا تو قرعہ اندازی کی گئی جس کے نتیجے میں حضور علیہ السلام کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ کا نام نکلا تو قبیلے کے کہنے پر حضرت عبداللہ کے فدیے میں سو اونٹ ذبح کئے گئے اور حضرت عبداللہ بھی ذبیح اللہ قرار پائے۔ (تفسیر کشاف 56/4)

(تفصیلی واقعہ دیکھئے السیرۃ النبویہ لابن ہشام 192/1، البدایہ والنہایہ 200/2، المستدرک 58/4، ابن کثیر 20/4، الدر المنثور 93/7)

الغرض! اہلِ تورات کو اس نظریہ پر عرب کے ساتھ حسد نے برانگیختہ کیا ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ان عربوں کے باپ ہیں جو حجاز مقدس میں سکونت پذیر تھے اور انہیں عربوں سے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے جبکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے والدِ بزرگوار ہیں جن کا لقب اسرائیل تھا (یعنی یعقوب علیہ السلام کا) اور اسرائیل انہی کی طرف منسوب ہیں انہوں نے چاہا کہ شرف واعزاز کا اجراً اپنی جانب کرلیا جائے۔ بنابریں انہوں نے کلام اللہ میں تحریف وزیادتی کر ڈالی یہ غلط قوم ہے اور اس بات کا اقرار نہیں کرتی کہ فضل وکرم اللہ کے دستِ قدرت میں ہے وہ

جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ (امام ابن کثیر)

فضائلِ قربانی:

- حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ عید الاضحیٰ کے دن جانوروں کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عمل نہیں ہے۔ اور قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پہ گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس (مقبول ہو کر) پہنچ جاتا ہے، لہٰذا تم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے قربانی کرنیوالے کو قربانی کے جانور کے ہر ایک بال کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی۔

(ترمذی حدیث 1493، ابنِ ماجہ حدیث: 3126)

- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: عید الاضحیٰ کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب وہ روپیہ ہے جو قربانی کیلئے خرچ کیا جائے۔ (المعجم الکبیر حدیث: 10894، مجمع الزوائد 18/4)
- انہی سے ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا عید الاضحیٰ کے دن اللہ کے ہاں کوئی عمل بھی قربانی کے جانور کا خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں سوائے اس کے کہ کوئی شخص کٹے ہوئے رشتے کو جوڑے۔ (المعجم الکبیر حدیث: 5939، مجمع الزوائد 18/4)
- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: قربانی تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے اور اس میں تمہارے لیے خون کے ہر قطرے پہ ایک نیکی کا ثواب ہے۔ (ابنِ ماجہ حدیث: 3127 ملخصاً)

اے مسلماں سن یہ نکتہ درسِ قرآنی میں ہے
عظمت اسلام و مسلم صرف قربانی میں ہے
زندگی جاوداں مومن کی قربانی میں ہے
لذت آبِ بقا تلوار کے پانی میں ہے

- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے دس سالہ مدنی زندگی میں کبھی کسی ایک سال بھی قربانی کا ناغہ نہ فرمایا۔ (ترمذی حدیث:1507)
- حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

"اے بیٹی! قربانی کے پاس موجود رہو کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پہ گرتے ہی گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے اور یہ دعا پڑھو"۔

ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین لا شریك له وبذٰلك امرت وانا من المسلمین۔

حضرت عمران نے عرض کیا حضور! کیا یہ فضیلت صرف آپ کے اہلِ بیت کیلئے ہے یا تمام مسلمانوں کیلئے؟

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "تمام مسلمانوں کیلئے"۔

(مجمع الزوائد 17/4، المعجم الکبیر 239/18)

- سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے: اپنی قربانیوں کیلئے عمدہ قسم کے جانور ڈھونڈو، کیونکہ یہی جانور پل صراط پہ تمہاری سواری بنیں گے۔

(کنز العمال حدیث:12177)

قربانی کا شرعی حکم اور اس کے بارے میں احادیث:

- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اس (یوم الاضحیٰ کے) دن کو اس امت کیلئے عید کا دن قرار دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے سوال کیا: اگر میرے پاس (اپنی بکری نہ ہو بلکہ) کسی کی بکری ہو تو کیا میں اس کو ذبح کر دوں؟ فرمایا: نہیں بلکہ تم اپنے بالوں، ناخنوں کو کاٹ لینا، مونچھوں کو تراش لینا اور موئے زیر ناف مونڈ لینا یہ اللہ کے نزدیک تیری پوری قربانی ہوگی۔ (سنن ابی داؤد 2789، سنن نسائی 4377)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے عرض کیا: کیا قربانی واجب ہے تو آپ (ابن عمر رضی اللہ عنہما) نے فرمایا: قربانی حضور علیہ السلام نے خود کی ہے۔ اس نے پھر یہی سوال کیا کہ کیا قربانی واجب ہے تو آپ نے فرمایا: کیا تجھے عقل ہے؟ حضور علیہ السلام نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ (سنن ترمذی 1506، ابن ماجہ 3124)

حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وقوف عرفہ کے موقع پر فرمایا: اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے عتیرہ کیا ہے؟ یہ وہی ہے جس کو تم رجبیہ کہتے ہو۔ (ترمذی 1518)

اہلِ عرب نذر مانتے تھے کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو رجب میں ایک قربانی کریں گے اسی کو عتیرہ اور رجبیہ کہا گیا ہے۔

یہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا پھر منسوخ کر دیا گیا کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں یہ ذبیحہ بتوں کے نام پر ہوتا تھا اور اس کا خون بتوں کے سروں پر ڈالا جاتا تھا۔

(جامع الاصول فی احادیث الرسول 245/3)

قربانی کو سنت کہنے والوں کے دلائل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ قربانی کو سنت مؤکدہ کا درجہ دیتے ہیں۔

(شرح المہذب 404/9)

یہی مسلک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ (الکافی 543/1)

جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایک قول کے مطابق امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے قول کے مطابق وجوب کے قائل ہیں۔

(الشرح الکبیر 118/2، حاشیۃ الاسوقی علی شرح الکبیر 118/2)

ہمارے یعنی احناف کے ہاں صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے یہی قوم امام محمد، امام زفر، حسن بن زیاد کا ہے اور امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت اسی موقف کی تائید میں ہے۔

قربانی کو سنت کہنے والوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس لیے قربانی نہ کی کہ اس کو واجب نہ سمجھ لیا جائے۔ (السنن الکبریٰ 265/9)

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو منقطع سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے جو قابل حجت نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سالوں میں صاحبِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے شیخین علیہم الرضوان پر قربانی واجب نہ تھی۔

قربانی کو واجب کا درجہ دینے کی بجائے سنت کا درجہ دینے والے بزرگوں کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو اور ماہ ذی الحجہ شروع ہو جائے تو وہ قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

(مسلم شریف عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا حدیث: 1977)

ثابت ہوا کہ قربانی کو قربانی کرنیوالے کے ارادے کی طرف پھیرا گیا ہے اور واجب اس طرح نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ جو شخص زکوٰۃ دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ رشتہ دار فقراء سے آغاز کرے۔ یا جو شخص فجر کی نماز کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ رات کو جلدی سو جائے۔ اس سے زکوٰۃ اور نماز فجر کی فرضیت پہ تو کوئی حرف نہیں آ سکتا۔

ان اصحاب کی ایک دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تین چیزیں مجھ پر فرض کی گئی ہیں نہ کہ تم پر۔ 1- نمازِ وتر، 2- نمازِ چاشت، 3- قربانی۔ (مسند احمد 231/1)

جبکہ اگر اس میں نفی ہے تو فرضیت کی ہے نہ کہ وجوب کی۔ ویسے بھی امام ابن حجر نے بیہقی، ابن جوزی، نووی اور ابن الصلاح کے حوالے سے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے تلخیص الحبیر 503/2)

قربانی کا وجوب:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فصل لربک وانحر۔ (الکوثر: 2)

''اپنے رب کی خاطر نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے''۔

وانحر امر کا صیغہ ہے جو مطلقاً (بلاقرنیہ) وجوب کیلئے ہے۔

اگر کوئی کہے کہ وانحر کا معنی نماز میں ہاتھ سینے پہ باندھنا، اسی طرح نماز میں قبلہ کی طرف سینہ کرنا بھی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں معانی ''فصل'' کے اندر موجود ہیں لہٰذا تکرار سے بچنے کیلئے وانحر کا معنی قربانی ہی کیا جائے گا۔

نبی اکرم علیہ السلام کے مندرجہ ذیل ارشادات سے بھی قربانی کے وجوب کا ثبوت ملتا ہے۔

- من ذبح قبل الصلوٰۃ فلیعد اضحیته۔ (بخاری 5556)

''جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی وہ قربانی دوبارہ کرے''۔

اس بارے متعدد احادیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، السنن الکبریٰ للنسائی، مسند احمد 302/4، مسند الحمیدی میں موجود ہیں۔

کہ حضور علیہ السلام نے نماز عید سے پہلے قربانی کرنیوالوں کو دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا اور نماز عید سے پہلے کی گئی قربانی کو قربانی نہیں بلکہ خالی بکری کا گوشت قرار دیا، اور جن کے پاس اب دوسرا جانور صحیح عمر کا نہ تھا ان میں سے بعض کو کم عمر جانور قربانی میں ذبح کرنے کی اجازت بھی دی اور ساتھ فرمایا: یہ اجازت صرف تیرے لیے ہے تیرے بعد کسی کیلئے نہیں۔

یاد رہے! صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی قربانی سے پہلے کبھی قربانی نہ کیا کرتے۔ (دیکھیے صحیح مسلم 1963)

لقوله تعالیٰ:

لا تقدموا بین یدی الله ورسوله واتقوا الله۔

دوبارہ قربانی کا حکم دینا علامت وجوب ہے۔ (بدائع الصنائع 280/2)

- من لم یضح فلا یقربن مصلانا۔ (ابن ماجہ 5556)

''جو (طاقت ہونے کے باوجود) قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ کے قریب نہ آئے''۔

اس طرح کی شدید وعید ترک واجب پر ہی ہو سکتی ہے۔

✿ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:

ضحوا و طیبوا بها انفسکم۔ (ترمذی:1493)

''اطمینان قلب اور خوش دلی سے قربانی کیا کرو''۔

قربانی کرنے کا حکم بصیغۂ امر دیا جا رہا ہے جو بلا قرآئن صارفہ وجوب کیلئے ہے۔

✿ اس سے پہلے ایک حدیث ان الفاظ سے گذر چکی ہے۔

علی اهل کل بیت فی کل عام اضحیه۔ (نسائی:4224)

''ہر گھر والے پر ہر سال قربانی (واجب) ہے''۔

اور علیٰ برائے وجوب ہے۔

اس سے ان لوگوں کا بھی ردّ ہو گیا جو قربانی کا (حجاج کے علاوہ) سرے سے ہی انکار کرتے ہیں۔

کیونکہ اللہ کا حکم **فصل لربك وانحر** بھی سب کیلئے ہے اور **سنة ابیکم ابراهیم** حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہر ایک (اہل ایمان صاحب استطاعت) کیلئے ہے۔

چاہے کوئی حاجی ہو یا غیر حاجی، چاہے مکہ میں ہو یا دنیا کے کسی بھی خطہ میں۔ اور حکمِ خداوندی ہے:

ان اتبع ملة ابراهیم حنیفا۔

''ملّت ابراہیم کا پیروکار بن جا''۔

اور یہ کہنا کہ اس میں مال کا ضیاع ہے تو ضیاع کہاں ہے گوشت سے لے کر گوبر تک ہر شی تو کام آجاتی ہے اور پھر حکمِ الٰہی پہ عمل کرنے کے سلسلہ میں جو مال خرچ ہو جائے وہ ضائع تو نہیں ہوتا وہی تو کام آتا ہے۔ **ما عندکم ینفد وما عند الله باق۔**

قربانی کا جانور کیسا ہونا چاہیے؟:

✿ حضرت عبید بن فیروز فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کون

سے جانوروں کی قربانی ناجائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

1- ایسا کانا کہ جس کا کانا پن ظاہر ہو۔

2- ایسا بیمار کہ جس کی بیماری ظاہر و باہر ہو

3- ایسا لنگڑا کہ جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

4- ایسا کمزور کہ جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو۔

میں نے عرض کیا: جس کی عمر کم ہو وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ فرمایا: جو تمہیں پسند نہیں تم اس کی قربانی نہ کرو لیکن اس کو کسی اور کیلئے حرام نہ کرو۔ (ابوداؤد 2802، ترمذی 1497)

✿ سیدنا علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں فرمایا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو خوب اچھے طریقے سے دیکھ لیا کریں۔ جس جانور کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو نہ اس کی قربانی کریں اور نہ ہی اس کی جس کے کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا ہو نہ کان چرے کی اور نہ اس کی جس کے کان میں سوراخ ہو یا جس کا سینگ نصف یا اس سے زائد ٹوٹا ہوا ہو۔ (ترمذی: 1498)

✿ یزید بن ذو مصر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن عبداللہ اسلمی سے عرض کیا کہ میں قربانی کا جانور لینے گیا تو مجھے صرف ایک جانور پسند آیا جس کے دانت ٹوٹے ہوئے تھے (یعنی گر چکے تھے) اس لیے وہ مجھے ناپسند ہوا، اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں:

انہوں نے فرمایا: تم اس کو لے آؤ۔ میں نے کہا: سبحان اللہ! کیا وہ آپ کیلئے جائز ہوگا جو میرے لیے (قربانی میں) ناجائز ہے۔ فرمایا: ہاں! کیوں تم شک میں پڑ گئے ہو جبکہ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس جانور کی قربانی سے منع کیا ہے کہ

- جس کا کان جڑ سے کٹا ہوا ہو اور صرف کان کا سوراخ باقی رہ گیا ہو۔
- جس کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا ہو۔
- جس کی آنکھ پھوٹ گئی ہو۔
- جو اس قدر دبلا ہو کہ ریوڑ کے ساتھ چل کر نہ جا سکتا ہو۔
- جس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو۔ (ابوداؤد:2803)

مندرجہ بالا احادیث اور ان کے علاوہ اس طرح کی دیگر احادیث سے فقہاء کرام نے جن مسائل کا استنباط فرمایا ہے ان میں سے چند مسائل لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں:

- قربانی کا جانور تمام عیوب فاحشہ (واضح) سے سلامت ہونا چاہیے۔ (بدائع الصنائع)
- جس جانور کا خلقۃً سینگ نہ ہو یا اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (کافی)
- اگر سینگ کی ٹوٹ ہڈی کے جوڑ تک پہنچ گئی تو پھر قربانی جائز نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع)
- اگر جانور اندھا، کانا یا لنگڑا ہو اور اس کے عیوب بالکل ظاہر ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں اسی طرح اگر اس کی بیماری ظاہر ہو، جس کے دونوں کان کٹے ہوئے ہوں یا جس کی چکتی یا دم بالکل کٹی ہوئی ہو یا جس کا پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، جس کا کان چھوٹا ہو اس کی قربانی جائز ہے، جس کا ایک کان پورا کٹا ہوا ہو یا جس کا پیدائشی صرف ایک کان ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اگر کان، چکی، دُم اور آنکھ کا زیادہ حصہ ضائع ہو گیا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں اور کم ضائع ہوا ہو تو پھر جائز ہے یعنی تہائی یا اس سے کم حصہ اگر ضائع ہوا تو جائز ہے اور تہائی سے زیادہ حصہ ضائع ہو گیا تو ناجائز ہے۔ (جامع صغیر و کافی)
- جس جانور کے دانت نہ ہوں تو اگر وہ چارا کھالیتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (محیط سرخسی)
- جس جانور کے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اگر اتنے دانت باقی ہیں جن سے وہ چارا کھا

سکتا ہے تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (قاضی خاں برحاشیہ عالمگیری 353/3)

- جو جانور مجنون ہو گیا ہو تو اگر وہ چارا کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں، خارش زدہ جانور اگر فربہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ جس جانور کا کان طول کی جانب سے چیرا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے اسی طرح جس کے کان کا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز ہے یا جس کا کان پھٹا ہوا ہو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ حدیث میں جو ایسے جانوروں کی قربانی کی ممانعت ہے وہ کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔ (بدائع الصنائع)
- جس جانور کی ناک کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (ظہیریہ)
- جو جانور بھینگا ہو یا جس کی اُون کاٹ لی گئی ہو اس کی قربانی جائز ہے۔ (قاضی خاں)
- جس کے تھن کاٹ لیے گئے ہوں، یا جس کے تھن خشک ہو گئے ہوں یا جو اپنے بچے کو دودھ نہ پلا سکے اس کی قربانی جائز نہیں۔ (محیط سرخسی)
- اگر بکری کی زبان کٹی ہوئی ہو اور وہ چارہ کھا سکتی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔ (تاتارخانیہ)
- اگر بکری کی زبان نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر گائے کی زبان نہ ہو تو پھر جائز نہیں۔ (خلاصہ)
- (جلالہ) جو جانور لید اور گوبر وغیرہ کھاتا ہو اس کی قربانی جائز نہیں، اگر جلالہ اونٹ ہو تو اس کو چالیس دن بند کرنا ضروری ہے، گائے کو بیس دن، بکری کو دس دن اور مرغی کو تین دن۔ (لیکن مرغی کی قربانی نہیں ہوتی) (قاضی خاں)
- جس جانور کی چار ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ کٹی ہو اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (خزانہ و تاتارخانیہ)
- مشائخ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ عیب جو کسی منفعت کو بالکل زائل کر دے یا جمال کو بالکل ضائع کر دے اس کی وجہ سے قربانی جائز نہیں ہے اور

جو عیب اس سے کم درجہ کا ہو اس کی وجہ سے قربانی ممنوع نہیں ہے۔

- صاحب نصاب نے اس قسم کے عیب والے جانور کو خریدا یا خریدنے کے بعد اس میں ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی ممنوع ہے تو ہر صورت میں صاحب نصاب کا اس جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں اور جو صاحب نصاب نہ ہو وہ ہر صورت میں اس جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔ (محیط)
- خصی جانور کی قربانی نر کی بہ نسبت افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (محیط)
- اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ اونٹ کا ساتواں حصہ افضل ہے یا بکری؟ تحقیق یہ ہے کہ جس کی قیمت زیادہ ہو وہ افضل ہے۔ (ظہیریہ)
- اگر قیمت برابر ہو تو گائے کے ساتویں حصہ سے بکری افضل ہے کیونکہ بکری کا گوشت زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ (خلاصہ)
- زیادہ فربہ، زیادہ حسین اور زیادہ عظیم جانور کی قربانی مستحب ہے، اور بکریوں کی جنس میں سرمئی رنگ کا سینگوں والا خصی مینڈھا افضل ہے، نیز یہ مستحب ہے کہ چھری تیز ہو اور گلے پر چھری پھیرنے کے بعد اتنی دیر انتظار کرنا مستحب ہے جتنی دیر میں اس کے تمام اعضاء ٹھنڈے ہو جائیں اور اس کے تمام جسم سے جان نکل جائے اور اس کے جسم کے ٹھنڈا ہونے سے پہلے اس کی کھال اتارنا مکروہ ہے۔ (بدائع الصنائع)
- قربانی کے جانور سے خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا مستحب ہے اور افضل یہ ہے کہ تیسرا حصہ صدقہ کرے اور تیسرے حصہ سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کی ضیافت کرے اور باقی تیسرے حصہ کو ذخیرہ کرے اور غنی اور فقیر سب کو کھلائے۔ (بدائع الصنائع)
- قربانی کے گوشت کو جسے چاہے ہبہ کرے، غنی کو، فقیر کو، مسلم کو اور ذمی کو۔ (غیاثیہ)

- اگر قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دیا یا سارا گوشت اپنے لیے رکھ لیا تو جائز ہے، اور اس کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ بھی گوشت کو ذخیرہ کر کے رکھے لیکن اس کو کھلا دینا یا صدقہ کر دینا افضل ہے، البتہ اگر کوئی شخص کثیر العیال ہو تو اس کیلئے افضل اپنے اہل و عیال کو کھلانا ہے۔ (بدائع الصنائع)
- اگر قربانی کے جانور کی نذر مانی تھی تو پھر اس کے گوشت کو خود کھانا جائز ہے نہ اس میں سے اغنیاء کو کھلانا جائز ہے عام ازیں کہ نذر ماننے والا امیر ہو یا فقیر ہو، کیونکہ اس کا طریقہ اس کو صدقہ کرنا ہے اور صدقہ کرنیوالے کیلئے اپنے صدقہ کو خود کھانا جائز ہے نہ اغنیاء کو کھلانا جائز ہے۔
- قربانی کرنے سے چند ایام پہلے قربانی کے جانور کو باندھنا اس کے گلے میں ہار ڈالنا اور اس پر جل ڈالنا مستحب ہے، اس کو آہستہ آہستہ قربان گاہ کی طرف لے جایا جائے اس کو سختی سے یا گھسیٹ کر قربان گاہ کی طرف نہ لے جایا جائے۔

(بدائع الصنائع)

- قربانی کے بعد اس کے ہار اور اس کی جُل کو صدقہ کر دے۔ (سراجیہ)
- جب کوئی بکری (یا گائے) قربانی کیلئے خریدے تو اس کا دودھ دوھ کر یا اس کے بال کاٹ کر نفع حاصل کرنا مکروہ ہے، بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ حکم اس کیلئے ہے جو صاحب نصاب نہ ہو اور صاحب نصاب کیلئے قربانی کے جانور کے دودھ یا اُون سے نفع حاصل کرنا جائز ہے (بدائع) اور صحیح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صاحب نصاب اور غیر نصاب دونوں برابر ہیں۔ (غیاثیہ)
- قربانی کی کھال کو صدقہ کر دے یا اس کی مشک یا جراب بنالے (یا مصلّے اور موزے بنالے) اور قربانی کی کھال کو فروخت کر کے کسی ایسی چیز کو خریدنا استحساناً جائز ہے جس کو بعینہٖ کام میں لایا جا سکے (مثلاً کتاب یا پنکھا خرید لے) اور اس سے ایسی چیز خریدنا جائز نہیں ہے جس کو بعینہٖ کام میں نہ لایا جا سکے بلکہ اس کو خرچ

کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل کیا جا سکے جیسے طعام اور گوشت وغیرہ، اور اگر کھال کو پیسوں کے عوض فروخت کر دیا تا کہ صدقہ کیا جا سکے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ بھی کھال کی طرح صدقہ کرنا ہے۔ (تبیین الحقائق)

- قربانی کے گوشت کے بدلہ میں جراب (چمڑے کا ظرف) خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ قربانی کے گوشت کے بدلہ میں غلہ یا گوشت خریدنا جائز ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں)
- قربانی کرنے کے بعد اس کی چربی، اس کی سری پائے اس کی اُون، اس کے بال اور دودھ وغیرہ کو ایسی چیز کے عوض فروخت نہ کرے جس سے بعینہٖ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا جیسے روپے پیسے اور کھانے پینے کی چیزیں، اسی طرح ان چیزوں کو قصاب کی اجرت میں بھی نہ دے، اور اگر اس نے ان چیزوں کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرے۔ (بدائع الصنائع)
- اگر قربانی کے جانور کے بچہ ہو جائے تو اس بچہ کو بھی اس جانور کے ساتھ ذبح کر دیا جائے اور اگر اس کو فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر ایام نحر گذر گئے تو اس بچہ کو زندہ صدقہ کر دیا جائے اور اگر بچہ کو ماں کے ساتھ ذبح کیا تو اس کا گوشت کھانا جائز ہے اور امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اس کا گوشت صدقہ کر دیا جائے۔ (خلاصہ)
- صاحب نصاب قربانی کے جانور کو فروخت کر کے اس کے بدلہ میں دوسرا جانور خرید سکتا ہے اور اگر کچھ پیسے بچ جائیں تو ان کو صدقہ کر دے۔ (سراجیہ)

(فتاویٰ عالمگیری 5/299، 300، 302 ملخصاً)

قربانی کی کھال کا مسئلہ:

کھال کا حکم گوشت ہی کی طرح ہے ہر امیر غریب سید غیر سید کو دی جا سکتی ہے امام مسجد کو بھی بغیر اجرت و تنخواہ کی نیت کے دینا جائز ہے بلکہ زیادہ بہتر ہے تا کہ خوشحال ہو کر

پوری دل جمعی اور اطمینانِ قلبی کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے (اور گنگال سمجھ کر نہیں بلکہ بزرگ سمجھ کر ہدیۂ پیش کرے) (فتاویٰ نوریہ)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ السلام نے قربانی کے اونٹوں کی نگرانی اور ان کا گوشت تقسیم کرنے کیلئے بھیجا اور ساتھ ہی حکم دیا:

''ان کی جھول (پشت پہ ڈالا جانے والا کپڑا) اور ان کی کھالوں کو بھی تقسیم کر دینا''۔

ایک روایت کے مطابق آپ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ السلام نے اس لیے بھیجا کہ میں قربانی کی اونٹنیوں کی حفاظت کروں اور ان میں سے کوئی چیز بھی اجرت کے طور پر قصاب کو نہ دوں۔

ایک تیسری روایت میں ہے کہ ان کا گوشت، کھال اور جھول کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا اور ان میں سے کسی شی کے ذریعے بھی قصاب کو اجرت دینے سے منع فرمایا۔ لہٰذا ہم اپنے پاس سے قصاب کو اجرت دیتے تھے۔

(بخاری 1718، مسلم 1317، ابی داؤد، ابن ماجہ مسند احمد، سنن دارمی)

قربانی کے جانور کی عمر:

- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم (قربانی میں کم از کم) صرف ایک سال کا بکرا ذبح کرو، اگر نہ ہو سکے تو چھ ماہ کا دنبہ۔

(مسلم شریف 1963)

- حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان میں بکریاں تقسیم فرمائیں تو میرے حصے میں صرف چھ ماہ کی بکری آئی اور آپ نے (صرف) مجھے اس کی قربانی کی اجازت عطا فرمائی۔ (بخاری: 2500)

حضرت عاصم بن کلیب نے اپنے والد (صحابی) رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ (وہ فرماتے ہیں) ہم حضرت مجاشع بن سلیم کیساتھ تھے کہ ایک ندا دینے والے نے اس طرح ندا دی! اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے: چھ ماہ کا دنبہ" ایک سال کے بکرا، دو سال کی گائے اور پانچ سال کے اونٹ) کے بدلے کفایت کرے گا۔ (ابوداؤد شریف: 2799)

تقریباً یہی عمریں مذکورہ جانوروں کی اہلحدیث حضرات کے بڑوں نے لکھی ہیں تفصیل کیلئے دیکھئے۔

(ابوداؤد مترجم 409/2 ترجمہ وحید الزمان، لغات الحدیث 53/1، کنز الحقائق صفحہ 194، نزل الابرار 95/3، سنن نسائی مترجم 253/3 ترجمہ مولوی وحید الزمان، صحیح مسلم 216/3، فتاویٰ نذیریہ 257/3 ڈپٹی نذیر احمد، فتاویٰ ثنائیہ 805/1، 808 اہلِ حدیث حضرات کے شیخ الاسلام امرتسری)

خصی جانور کی قربانی:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجونین۔ (سنن ابی داؤد 30/2)

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن دو سرمئی رنگ کے سینگوں والے خصی دنبے ذبح کیے"۔

علامہ وحید الزمان اہلحدیث نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ (لغات الحدیث 15/2) اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی غیر مقلدین کے امام الکل فی الکل بالکل لکھتے ہیں کہ خصی کی قربانی جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے خصی کی قربانی کی ہے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ضحّی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین سمینین عظمین املحین اقرنین موجوئین۔

اور بہت سی حدیثیں اس مضمون میں آئی ہیں۔

(فتاویٰ نذیریہ 259/3، فتاویٰ ثنائیہ 807/1)

امام الوہابیہ قاضی شوکاں نے بھی متعدد احادیث سے یہی ثابت کیا ہے۔

(دیکھئے نیل الاوطار 127/5)

(مسک الشام 136/4 پہ نواب صدیق حسن بھوپالی نے محمدی زیور المعروف فقہ محمدیہ 79/2 اور فتاویٰ برکاتیہ صفحہ 253 پہ علاوہ ازیں ہفت روزہ تنظیم اہلِ حدیث لاہور 17 مارچ 2000ء اور 21 اپریل نے بھی قربانی کے جانوروں کے یہی عمریں بیان کی ہیں)

جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ:

- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے عید الاضحیٰ کے دن سرمئی رنگ کے خصی دو دنبے اس طرح ذبح فرمائے کہ ان کا منہ قبلہ کی طرف کر کے یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین۔ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین لا شریك له وبذلك امرت وانا من المسلمین اللهم منك ولك اللهم عن محمد و امته بسم الله والله اکبر۔

پھر آپ نے ان کو ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد حدیث: 2795)

- حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے سینگوں والا مینڈھا لانے کا حکم دیا جس کے پاؤں آنکھیں اور باقی اعضاء سیاہ ہوں چنانچہ وہ لایا گیا تو آپ نے حضرت عائشہ سے چھری لانے کو کہا پھر فرمایا کہ چھری پتھر پہ تیز کرو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا اور اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا: اس کو محمد، آل محمد اور امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول کر لے۔ پھر اس کو ذبح کر دیا۔ (صحیح مسلم: 1968 ملخصا)

گھوڑے، مرغ اور انڈے کی قربانی:

ہمارے (احناف کے) ہاں گھوڑے کی قربانی جائز نہیں ہے اور اس کا گوشت کھانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے گھوڑے، گدھے اور خچر کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

(سنن نسائی 176/2، ابوداؤد 175/2، طحاوی 295/2، دارقطنی 287/4 عن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)

محلی ابن حزم 408/8 پہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی گھوڑے کے گوشت سے ممانعت پہ حضور علیہ السلام کا فرمان عظمت نشان موجود ہے جبکہ اہلِ حدیث حضرات کے ہاں گھوڑے کی قربانی جائز ہے کیونکہ گھوڑا ان کے نزدیک حلال ہے۔

(دیکھئے فتاویٰ اہل حدیث 557/2، فتاویٰ ستاریہ 147/1)

اسی طرح یہ حضرات مرغ اور انڈے کی قربانی بھی جائز سمجھتے ہیں۔

(فتاویٰ ستاریہ 172/2، مقاصد الامامت صفحہ 5)

جبکہ فتاویٰ علماء حدیث 74/13 پہ انہی حضرات کے جید علماء نے اس کی مفصل تردید کی ہے۔

اونٹ کی قربانی کا طریقہ:

- زیاد بن جبیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک شخص کے پاس اس وقت تشریف لے گئے جب وہ اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا (اونٹ کو کھڑا کر کے اس کا ایک پاؤں باندھ کر اس کے سینے کے اوپر والے حصے پہ تیر وغیرہ مار کر قربانی کرنے کو نحر کہتے ہیں) آپ نے فرمایا: اس کو کھڑا (کر کے نحر) کرو۔ دراں حالیکہ اس کا ایک پاؤں بندھا ہوا ہو یہی میرے آقا (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت مبارکہ ہے۔ (صحیح بخاری حدیث: 1713)
- حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اللہ کے ہاں سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم عید الاضحیٰ کو قرار دیا پھر اس سے اگلا۔ اور آپ

(صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں جو (دوڑ دوڑ کر) آپ کے قریب ہو رہی تھیں تا کہ آپ ان کی قربانی سے آغاز فرمائیں جب (نحر کے بعد) وہ سب پہلوؤں کے بل گر گئیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آہستہ سے کوئی بات ارشاد فرمائی جس کو میں (عبداللہ) نہ سمجھ سکا اور میں نے پوچھا: آپ کیا فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو چاہے ان کا گوشت کاٹ کر لے جائے۔

کسی نے کیا خوب کہا:

ہمہ آھوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

(یہ عنوان ہماری کتاب فضائل و مسائل حج و زیارت میں تفصیل سے ملاحظہ فرمائیں)

قربانی کے جانور میں شرکت:

متعدد احادیث میں گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات افراد کی شرکت کا ذکر ہے۔

(دیکھئے صحیح مسلم حدیث 1318، ابوداؤد 2807، سنن نسائی 4405، 4404، مسند احمد 204/3، ابوداؤد صفحہ 289، ترمذی 1503، ابن ماجہ 3143، دارمی 1957، صحیح ابن خزیمہ 2914، مسند احمد 95/1)

جس حدیث میں اونٹ کے اندر دس افراد کی شراکت کا ذکر ہے اس پر اسحٰق بن راہویہ کے علاوہ کسی نے عمل نہیں کیا کیونکہ اس کے مقابلہ میں کئی احادیث موجود ہیں جن میں صرف سات افراد کی تحدید ہے۔

اگر کوئی اکیلا شخص گائے یا اونٹ کی قربانی کرنا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اپنے حج میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔ (مسلم شریف 1319)

بعض روایات میں جو ایک بکری کی قربانی پورے گھر والوں کی طرف سے بیان ہوئی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب صرف گھر کے سربراہ پہ قربانی واجب ہو اور باقیوں

پر نہ ہو تو ایک بکری سب کیلئے کافی ہے، اور اس حدیث میں فرمایا گیا ہے پھر اس کے بعد لوگوں نے اس (قربانی) پر فخر کرنا شروع کر دیا اور قربانی فخر کا ذریعہ بن گئی۔

(ترمذی 1505، مؤطا امام مالک 1069)

جیسا کہ ہمارے اس زمانے میں لوگ مہنگا جانور خرید کر نمائش کرتے پھرتے ہیں ان کی فلمیں بناتے ہیں، تصویریں اتارتے ہیں، اخبارات میں دیتے ہیں اور جب صدقہ فطر دینے کی بات آتی ہے تو سوا دو سیر آٹے سے آگے نہیں بڑھتے کہ کبھی کشمش اور کھجور کے حساب سے بھی فطرانہ ادا کر دیا کریں۔ (کیونکہ فطرانہ خاموشی سے ادا کیا جاتا ہے جس سے ان کی امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کا اظہار نہیں ہوتا)

الغرض بکری بکرے، چھتری چھترے، دنبی دنبے میں تو شراکت جائز نہیں یعنی صرف ایک بندے کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے۔ لیکن گائے بیل، اونٹ اونٹنی اور بھینس بھینسے میں سات افراد شریک ہو سکتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ نے دو مینڈھے ذبح فرمائے اور ارشاد فرمایا ایک میری طرف سے ہے اور دوسری قربانی حضور علیہ السلام کی طرف سے ہے اور مجھے حضور علیہ السلام نے ایسا کرنے کی وصیت فرمائی تھی (یا حکم دیا تھا)

(ترمذی 1495 عن حنش بن المعتمر)

مزید براں "علامہ وحید الزمان" نے بھی اونٹ کی قربانی میں سات حصے ہی لکھے ہیں۔ (دیکھئے کنز الحقائق صفحہ 193، نزل الابرار 95/3)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث جس میں حدیبیہ کے موقع پر صحابہ کرام کی قربانی کا تذکرہ ہے اس میں بھی اونٹ اور گائے میں صرف سات حصوں کا ذکر ہے۔

نحر نامع رسول اللّٰه عام الحديبية البدنة عن سبعة والبقر عن سبعة۔ (مسلم شریف 424/1)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ وحید الزمان نے لکھا کہ ابوحنیفہ اور شافعی اور اکثر علماء کا یہی قول ہے۔ (سنن ابی داؤد مترجم 413/2)

بھینس، بھینسے اور کٹے کی قربانی:

جاموس یعنی بھینس، بھینسے کی قربانی حدیثوں سے ثابت ہے کیونکہ جاموس (بھینس) بقر (گائے) کی ہی قسم ہے اور بقر کی قربانی حدیثوں میں مذکور ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة رواه مسلم و ابو داؤد واللفظ له** یعنی بقر اور اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے (مسلم، ابوداؤد) اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: **قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر فحضر الاضحى فاشتر كنا فى البقرة سبعة رواه الترمذى والنسائى وابن ماجه** یعنی انہوں نے فرمایا کہ ہم سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بقرعید آ گئی تو ہم ایک بقر میں سات آدمی شریک ہوئے۔ (ترمذی شریف، نسائی، ابن ماجہ) اور ہدایہ کتاب الاضحیہ میں ہے: **يدخل فى البقر الجاموس لانه من جنسه** یعنی بقر میں بھینس بھی داخل ہے اس لیے کہ بھینس بقر کی جنس سے ہے اور کتاب الزکوۃ میں ہے۔ **الجواميس والبقر سواء لانه اسم البقر يتنا ولهما اذهو نوع منه** یعنی بھینس اور بقر احکام میں برابر ہیں کہ بقر کا لفظ ان دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ بھینس، بقر کی ایک نوع ہے اور بدائع الصنائع میں ہے: **الجاموس نوع من البقر بدليل انه يضم ذلك الى البقر فى باب الزكوة اه** یعنی بھینس بقر کی ایک قسم ہے دلیل یہ ہے کہ بھینس زکوۃ کے مسئلہ میں بقر سے ملائی جاتی ہے اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے: **وكذا الجاموس لانه نوع من البقره اه** یعنی بھینس کی بھی قربانی جائز ہے اس لیے کہ وہ بقر کی ایک نوع ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **الجاموس نوع من البقر** یعنی بھینس بقر کی ایک قسم ہے اور رد المختار میں ہے: **الجاموس نوع من البقر وكذا المعز نوع من الغنم بدليل ضمها فى الزكوة** یعنی بھینس، بھینسا بقر کی

ایک قسم ہے دلیل یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ میں بقر کے ساتھ ہی شامل کی جاتی ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے: **الجاموس یجوز فیھا** یعنی بھینس، بھینسا قربانی میں جائز ہے اور عربی لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے الجاموس ضرب من کبار البقر داجنا یعنی بھینس بقر کی ایک بڑی قسم ہے جو کالی ہوتی ہے اور فارسی لغت کی معتمد کتاب "غیاث اللغات" میں ہے **جاموس در اخر سین مھملہ معرب گامیش کہ مخفف گاؤ میش ست از رسالہ معربات ودریں دیار مردم ایں زمانہ بجھت تفرقہ نرو مادہ نررا جاموس گویند بتعریب ومادہ را گاؤ میش خوانند** ۔ فقہ اور لغت کے ان تمام شواہد کا خلاصہ یہ ہوا کہ بھینس بقر ہی کی ایک قسم ہے اس کی بھی قربانی جائز ہے اور یہ سب مسلمانوں کے نزدیک مسلمہ مسئلہ ہے لہٰذا بھینسے کی قربانی کو جہالت بتانے والا جاہل اور جاہل نہیں تو گمراہ ہے اور گمراہ تاوقتیکہ توبہ نہ کرلے مسلمانوں پر اس کا بائیکاٹ کرنا لازم ہے ورنہ وہ بھی گنہگار ہوں گے۔ **قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکر مع القوم الظلمین**۔ (پارہ 7 رکوع 14) رئیس الفقہاء حضرت علامہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: **ان القوم الظلمین یعم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع** (تفسیرات احمدیہ صفحہ 255) **وھو تعالیٰ اعلم**۔

اسی طرح ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں:

زید اگر بھینسا کی قربانی کو جائز نہیں مانتا اس لیے کہ وہ قرآن سے ثابت نہیں ہے اور بکرا بکری کی قربانی کو جائز مانتا ہے تو اس سے دریافت کیا جائے کہ بکرا، بکری کی قربانی کس آیت سے ثابت ہے اور جب قرآن سے ثابت نہ ہونے کے سبب وہ بھینسا کی قربانی سے انکار کرتا ہے تو پانچوں وقت کی نمازوں میں رکعتوں کی تعداد سے بھی اسے انکار ہوگا اور سونا چاندی میں چالیسویں حصے اور غلہ میں دسویں بیسویں حصے کی زکوٰۃ سے بھی اسے انکار ہوگا اور اسی طرح ان تمام باتوں سے کہ جن کا ثبوت صرف حدیثوں میں سے ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ خلاصہ یہ کہ زید گمراہ ہے اس پر توبہ لازم ہے اگر وہ توبہ

نہ کرے تو سب مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں اگر ایسا نہ کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے۔

قال اللہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین۔(پارہ 7، رکوع 14) **وھو سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔**

علاوہ ازیں فتاویٰ نذیریہ 258/3 حاشیہ، فتاویٰ ثنائیہ 809/1، 810 فتاویٰ برکاتیہ صفحہ 342، فتاویٰ ستاریہ 2/3 اور فتاویٰ علماء حدیث 461/13 میں تمام جید علماء غیر مقلدین نے بھینس کی قربانی کو جائز لکھا ہے اسی طرح مؤخر الذکر (فتویٰ علماء حدیث) اور نیل الاوطار میں عقیقہ میں گائے کو ذبح کرنے کا جواز بھی مذکور ہے، جس کیلئے آج کل غیر مقلدین عدم جواز کا قول کرتے ہوئے سنے گئے ہیں۔

قربانی کی اوجھڑی کھانا:

قربانی کی اوجھڑی کا کھانا بھی مکروہ تحریمی ہے اور ہر مکروہ تحریمی استحقاق جہنم کا سبب ہونے میں حرام کے مثل ہے جیسا کہ درمختار میں ہے: **کل مکروہ ای کراھۃ تحریم حرام ای کالحرام فی العقوبۃ بالنار۔** لہٰذا قربانی کی اوجھڑی بھی نہ کھائیں بلکہ اسے دفن کر دیں۔ **وھو تعالیٰ اعلم۔**

اوجھڑی اور آنتیں کھانا جائز نہیں۔ لہٰذا قربانی کے جانور کی اوجھڑی اور آنتیں دفن کر دی جائیں البتہ اگر بھنگی کھانا چاہے تو اسے منع نہ کریں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ اوجھڑی آنتیں جن کا کھانا مکروہ ہے تقسیم نہ کی جائیں بلکہ دفن کی جائیں اور اگر بھنگی اٹھالے تو منع کی حاجت نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ 167/6) **وھو تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب۔**

قربانی کے اسرار و رموز:

1- اسلامی سال کا آغاز محرم اور اختتام ذوالحج پر ہوتا ہے اور دس محرم کو حضرت امام حسین کی اور دس ذوالحج کو حضرت اسماعیل کی قربانی ہے۔ پتہ چلا اسلام ابتداء سے انتہا

تک قربانیوں کا نام ہے۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین ابتداء ہے اسماعیل

2- اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں ہمیں اپنی مرضی سے تصرف کیلئے دی ہیں، وہ چاہتا ہے کہ ان نعمتوں کا کچھ حصہ اس کی مرضی سے بھی خرچ کیا جائے سال بھر ہم اپنی خواہش سے جانور ذبح کرتے ہیں، اللہ نے چاہا سال میں ایک مرتبہ ہم یہ جانور محض اس کی مرضی سے ذبح کر دیں۔

3- اپنے ہاتھ سے جانور ذبح کرنے سے خاک و خون سے مناسبت پیدا ہوتی ہے اور اس سے جہاد کی استعداد حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو شخص ایک جانور کو بھی ذبح نہ کر سکے اس سے کفار کو ہلاک کرنے کی توقع کب کی جا سکتی ہے۔

4- قربانی کے ذریعہ ہمیں یہ عادت ڈالی جاتی ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے ہم نے جانور کی جان پیش کی ہے، وقت آنے پر اپنی جان کو بھی اللہ کے حضور پیش کر دیں۔

5- جس طرح بدن کا شکر نماز سے، مال کا زکوٰۃ سے اور قوت کا شکر جہاد سے ہوتا ہے اسی طرح جانوروں کا شکر قربانی سے ہوتا ہے۔

6- کفار اپنی قربانیاں بتوں کیلئے کرتے ہیں ہم قربانی اللہ کیلئے کر کے ان کیلئے صحیح راہِ عمل متعین کرتے ہیں۔

7- قربانی اور تکبیراتِ تشریق کی وجہ سے غیر حجاج کو بھی حجاج سے مناسبت حاصل ہوتی ہے۔

8- قربانی سے وحدت ملی کو تقویت ملتی ہے اس دن تمام مسلمان ایک عمل اور ایک کھانے میں متحد ہوتے ہیں۔

9- قربانی اقارب اور احباب سے ملاقات، ضیافت اور صلۂ رحمی کا سبب بنتی ہے۔

10- احباب کو قربانی کا تحفہ دینے سے یگانگت بڑھتی ہے اور صدقہ دینے سے غرباء کا

پیٹ پلتا ہے اور ان کی دعائیں ملتی ہیں۔

11- انسان کی جسمانی نشوونما کیلئے گوشت ایک ضروری عنصر ہے، بہت سے لوگ ناداری کی وجہ سے گوشت سیر ہو کر نہیں کھا سکتے، قربانی کے ایام میں ان کی یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

12- قربانی کے ذریعہ ان کفار کے عقیدہ پر ضرب لگتی ہے جو جانوروں کی پرستش کرتے ہیں۔

13- قربانی یہ سبق دیتی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اس خارجی حیوان کو آہنی چھری سے ذبح کیا ہے اسی طرح شریعت کی قربان گاہ پر اپنے داخلی حیوان کو بھی مخالفتِ نفس کی چھری سے ذبح کر ڈالو تا کہ باطن ظاہر کے موافق ہو جائے اور آیاتِ آفاق کی معرفت کا مقتضیٰ حیوان ظاہر کی قربانی سے اور آیاتِ انفس کی معرفت کا مدعیٰ حیوان باطن کی قربانی سے پورا ہو جائے۔

(تفسیر تبیان القرآن 9/943،944 سورۃ الصافات)

ایام قربانی:

اس میں تو کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی کیلئے سب سے افضل دن یوم الاضحیٰ یعنی دس ذوالحجہ کا دن ہے اور اسی دن قربانی کرنا حضور علیہ السلام کی ظاہری زندگی کا معمول رہا جس کی وجہ سے یہ دائمی سنت بھی ٹھہری یہاں تک کہ غیر مقلدین حضرات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

(دیکھئے القول الائق صفحہ 3 از الیاس اثری، فتاویٰ برکاتیہ صفحہ 255 از شیخ الحدیث برائے اہل حدیث ابوالبرکات، اہم مسائل قربانی از محمد ادریس عاصم، مسائل قربانی صفحہ 39 از مولوی محمد اعظم غیر مقلد)

لیکن قربانی کتنے دن کی جا سکتی ہے تین دن یا چار دن؟ امام مالک، احمد بن حنبل اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی صرف تین دن ہو سکتی ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے چار دن کی قربانی کا قول کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کل ایام التشریق ایام ذبح۔ (مسند احمد 4/82، صحیح ابن حبان 1008 عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ)

حالانکہ اس حدیث کو امام بیہقی نے متعدد اسانید سے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ سلیمان بن موسیٰ نے اس حدیث کو حضرت جبیر سے روایت کیا ہے جبکہ حضرت جبیر کا زمانہ سلیمان بن موسیٰ نے نہیں پایا۔

امام بیہقی نے اسانید متصلہ سے بھی اس حدیث کو نقل فرمایا ہے لیکن وہ تمام اسانید ضعیف ہیں۔ (سنن کبریٰ بیہقی 296/9)

اس لیے کہ ان تمام اسانید کا دارومدار معاویہ بن یحییٰ الصدفی پر ہے اور وہ ضعیف ہے۔

امام محمد بن سیرین نے قربانی صرف ایک دن (دس ذوالحجہ) کا قول فرمایا ہے۔

(شرح المہذب 414/9)

قرآن مجید میں ''ایام معلومات'' کے الفاظ قربانی کے ذکر کے ساتھ آئے ہیں جن سے ایک دن قربانی جائز کا قول تو سرے سے باطل ہو گیا اور ''قربانی کے تین دن'' کیلئے ثبوت حاضر ہے۔

قربانی صرف تین دن ہے:

✿ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من ضحّٰی منکم فلا یصبحن وبقی فی بیتہ منہ شیٔ۔

(بخاری 835/2، مسلم 159/2)

تم میں سے جو کوئی قربانی کرے تو اس کے گھر (تین دن کے بعد) اس گوشت میں سے کوئی شی باقی نہ رہے۔

جب دوسرا سال آیا تو ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم اس سال بھی پچھلے سال کی طرح کریں؟ تو آپ نے فرمایا: خود بھی کھاؤ، دوسروں کو بھی کھلاؤ اور ذخیرہ بھی کر سکتے ہو اس سال لوگ تنگی میں تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ تم تنگی میں ان کی مدد کرو۔

(بخاری حدیث 5569، مسلم 1974)

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی حکم مروی ہے۔

(بخاری 5574، مسلم 1970)

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی حضور علیہ السلام کا یہ حکم مروی ہے۔

(بخاری 5570، مسلم 1971، ترمذی 1511، ابن ماجہ 3159)

علاوہ ازیں مؤطا امام مالک حدیث 1077 نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صرف تین دن قربانی کے جواز پہ حدیث نقل فرمائی۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ پہلے ہم تین دن کے بعد قربانیوں کا گوشت نہیں کھایا کرتے تھے پھر حضور علیہ السلام نے ہمیں تین دنوں کے بعد بھی کھانے کی اجازت دے دی۔ (بخاری 3997)

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تین دن قربانی کا گوشت کھاؤ۔ (بخاری: 6188)

ان تمام احادیث سے کم از کم یہ تو معلوم ہوا کہ قربانی صرف تین دن میں ہوسکتی ہے کیونکہ اگر چوتھے دن بھی قربانی کرنا جائز ہوتا تو تین دن گوشت کھانے کی اجازت نہ ہوتی بلکہ چار دن ہوتی۔ کیونکہ جب چوتھے دن قربانی کے گوشت کی ایک بوٹی رکھنا بھی منع تھی جیسا کہ (وبقی فی بیتہ من شیء) سے معلوم ہو رہا ہے تو پورا بکرا، گائے اور اونٹ ذبح کر کے کھانا کس طرح جائز ہوسکتا ہے۔ اور اول الذکر حدیث حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے علاوہ پندرہ صحابہ وصحابیات سے مروی ہے جن میں حضرت عائشہ، علی المرتضیٰ، ابوسعید خدری، انس، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر، حضرت جابر وغیرہم رضی اللہ عنہم جیسے اجلّہ صحابہ کبار بھی شامل ہیں۔ اور صحاح ستہ کے علاوہ سنن کبریٰ للبیہقی، مسند احمد، مؤطا امام مالک، صحیح ابن حبان، مستدرک، دارمی، المعجم الکبیر للطبرانی، مجمع الزوائد جیسی معتبر کتب کے اندر یہ حدیث پائی جاتی ہے۔

بشمول خلفاء راشدین حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی قربانی کے تین دنوں پر متفق ہیں۔ (دیکھیے محلی ابن حزم 277/7، 278، فتاویٰ علماء حدیث 33/13، 34)

علامہ بدرالدین عینی نے البنایہ شرح الہدایہ 177/4 پر بھی تین دن قربانی کی روایت نقل فرمائی ہے۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا موقف:

سیدنا علی المرتضٰی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے:

الایام المعدودات ثلثة ایام یوم الاضحی ویومان بعدہ۔

(محلی لابن حزم 377/7، تفسیر فتح القدیر للشوکانی 206/1 تفسیر در منثور 234/1 طبع ایران)

ایام معدودات (گنتی کے دن سے مراد قربانی کے) تین دن ہیں ایک عید کا اور دو بعد والے۔

اسی روایت پر حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا اتفاق بھی ابن حزم نے نقل کیا ہے۔

(محلی 220/7)

اور سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے صرف تین دنوں کی قربانی کا جواز امام مالک نے بھی نقل کیا ہے۔ (موطا امام مالک صفحہ 299)

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کا یہی موقف عمدۃ القاری 147/1 پہ امام بدر الدین عینی نے مختصر کرخی کے حوالے سے نقل کیا ہے، تفسیر روح المعانی 145/17 پہ علامہ سید محمود آلوسی نے روایت کیا ہے اور غیر مقلدین کے شیخ الحدیث الیاس اثری نے ایام قربانی صفحہ ۷ پہ بیان تو کیا ہے شاید تسلیم بھی کیا ہے یا نہیں کیا۔

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے موقف (قربانی صرف تین دن) پر دلالت کرنے والی ایک حدیث کے دو راویوں پر غیر مقلدین جرح کرتے ہیں ایک تو ابنِ ابی لیلیٰ اور دوسرا منہال بن عمرو اوّلاً تو ابن ابی لیلیٰ صحاح ستہ میں سے سنن اربعہ ترمذی، نسائی ابوداؤد ابنِ ماجہ کا راوی ہے اور اس کی حدیث حسن درجہ کی ہوتی ہے امام بخاری کے استاد احمد مونس اور ان کے استاد امام زائدہ فرماتے ہیں: **افقه اهل الدنیا۔**

(میزان الاعتدال 87/3، تہذیب التہذیب 302/1، تذکرۃ الحفاظ 162/1)

حضرت عطاء نے فرمایا کہ یہ مجھ سے بڑا عالم ہے۔

(میزان الاعتدال 88/3، تذکرۃ الحفاظ 162/1)

امام ترمذی اس کی حدیث کو صحیح حسن کہتے ہیں۔(ترمذی 111/1)
امام دارقطنی نے کہا کہ ثقہ ہے۔(دارقطنی 46/1)
امام ہاشمی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔(مجمع الزوائد 238/2)
ابنِ قیم نے اس کی سند کو صحیح کہا۔(بدائع الفوائد 123/3)
شوکانی نے مجمع الزوائد کے حوالے سے اس کا حسن الحدیث ہونا نقل کیا۔
(تحفۃ الذاکرین صفحہ 19)

احمد شاکر بھی اس کی حدیث کا حسن ہونا مانتے ہیں۔(شرح ترمذی 188/1)

دوسرا راوی جو منہال بن عمرو ہے تو یہ راوی بھی صحاح کا ہے جب اتنے جلیل القدر محدثین اس کی روایت لیتے ہیں تو پھر اعتراض کیسا۔امام نسائی اور یحیٰ بن معین اس کو ثقہ کہتے ہیں امام ابوالحسن القطان کہتے ہیں کہ جب امام عجلی اور ابنِ معین نے اس کی تعریف کردی ہے تو پھر اعتراض کیسا۔تہذیب التہذیب 320/10۔لگے ہاتھوں آنے والے آثار پر جرح کا جواب لے لیجئے حضرت ابنِ عمر کی روایت کی ایک سند میں ایک راوی اسمائیل بن عیاش ہے جس پر یہ اعتراض کرتے ہیں اوّلاً تو یہ صحاح اربع کا معتمد علیہ ہے نمبر 2 امام یعقوب بن سفیان نے کہا کہ ثقہ اور عادل ہے یزید بن ہارون نے کہا سب سے بڑھ کر حافظ ہے تہذیب 61/4 حضرت ابوہریرہ کے اثر میں راوی معاویہ بن صالح پر غیر مقلدین کو اعتراض ہے جواباً اوّل بات تو یہ ہے کہ صحاح اربعہ کا راوی ہے نمبر 2 ابن معین ثقہ کہتے ہیں عجلی و نسائی بھی توثیق کرتے ہیں ابن فراش نے کہا: صدوق،ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔(تہذیب التہذیب 309/10)

دیگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کا موقف:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ الاضحی یومان بعد یوم الاضحی۔(موطا امام مالک صفحہ 299،مشکوۃ صفحہ 129،سنن کبریٰ 297/9)

قربانی کے صرف تین دن ہیں۔ایک عید کا اور دو دن بعد کے۔ یہ روایت سند

کے اعتبار سے صحیح اور درست ہے۔ (ایام قربانی صفحہ 39، 40 از الیاس اثری)

✪ **عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال الاضحی یومان بعد یوم النحر۔**

(الجوہر النقی 296/9، عمدۃ القاری 147/21، سنن کبریٰ للبیہقی 297/9، احکام القرآن 323/3، محلی لابن الحزم 277/7)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قربانی صرف تین دن ہے۔

امام ترکمانی فرماتے ہیں یہ روایت امام طحاوی نے احکام القرآن میں جید سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

بیہقی میں حضرت ابن عباس سے چار دن قربانی کی روایت کے ایک راوی طلحہ بن عمرو حضرمی پر امام ترکمانی نے یوں جرح فرمائی ہے کہ طلحہ بن عمرو کو امام ابن معین، دار قطنی، ابوزرعہ ضعیف قرار دیتے ہیں، امام احمد اس کو متروک کہتے ہیں اور امام ذہبی نے اس کا ذکر کتاب الضعفاء میں فرمایا ہے۔ (الجوہر النقی 296/9)

اسی طرح ابن حزم نے طلحہ بن عمرو کو کذاب اور اس کی اس روایت کو غلط قرار دیا ہے۔ (محلی 348/5، 443)

الیاس اثری کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ (ایام قربانی صفحہ 21)

تہذیب 51/7 پہ ہے کہ مذکورہ روایت میں ایک راوی عبید اللہ بن موسیٰ بھی ضعیف ہے۔

✪ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری 147/21 پہ ابن وہب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی موقف بیان کیا ہے کہ قربانی صرف تین دن ہے۔

''الجوہر النقی'' میں امام ترکمانی، امام طحاوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ''احکام القرآن'' میں فرمایا:

لم یرو عن احد من الصحابۃ خلافهم فتعین اتباعهم اذ لا یوخذ ذٰلك توقیفا۔ (297/9)

کسی صحابی سے بھی اس (موقف) کا خلاف منقول نہیں لہٰذا ان کی اتباع متعین ہوگئی کیونکہ ایسی بات (یعنی جو بات قیاس سے کہی جائے اور صحابی اس کی خبر دیں وہ حکماً مرفوع اور) توقیفی (یعنی حضور علیہ السلام سے سُنی) ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

الاضحی یوم النحر ویومان بعدہ۔ (سنن کبریٰ 297/9 محلی 277/7)

قربانی صرف تین دن ہے۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح و درست ہے۔

(محلی 277/7 ابن حزم۔ ایام قربانی صفحہ 39،40 الیاس اثری)

ابومریم بیان کرتے ہیں کہ **سمعت ابا هريرة قال الاضحى ثلثة ايام۔**

(محلی 277/7)

یہ روایت صحیح و درست ہے۔ (ایام قربانی ایضاً اثری)

اس بنا پر امام ترکمانی نے ابن بنت نعیم کے حوالے سے لکھا کہ نوادر الفقہاء میں ہے:

اجمع الفقهاء ان التضحية فى اليوم الثالث عشر غير جائزة۔

(الجواہر النقی 297/9)

اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ تیرہ ذوالحجہ کو قربانی جائز نہیں ہے اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے اس پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق نقل کیا ہے۔ (مسک الشام 135/4)

اور عبدالرحمٰن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی 360/2 پہ قاضی عیاض کے حوالے سے لکھا: **ان يوم الرابع ليس من ايام الاضحية كذا فى النيل۔**

نیل الاوطار (للشوکانی) میں بھی ہے کہ چوتھا دن قربانی کیلئے نہیں ہے۔

(دیکھئے نیل الاوطار 134/5)

محدث وہابیہ عبیداللہ مبارکپوری نے بھی اس کو اکثر صحابہ کرام کا موقف بتایا ہے۔

(مرعاۃ المفاتیح 364/3)

ابوالبرکات (احسان الٰہی ظہیر کے استاذ) سے سوال ہوا کہ جو شخص جان بوجھ کر

چوتھے دن اس حدیث پہ عمل کرتے ہوئے قربانی کرے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو میری سنت پہ اس وقت عمل کرے جب امت میں فساد رونما ہو گیا ہو (اور سنتوں کو مٹایا جا رہا ہو) فله اجر مائة شهيد۔ تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ تو کیا ایسا شخص اس اجر عظیم کا مستحق ہے یا نہیں؟

تو ابوالبرکات غیر مقلد مفتی صاحب نے جواب میں فرمایا:

اس شخص کا عمل حضور علیہ السلام کے عمل کے خلاف ہو گا اور اس کو تھوڑا اجر ملے گا کیونکہ اصل قربانی عید کے دن ہوتی ہے جو حضور علیہ السلام کا ہمیشہ معمول رہا۔ چوتھے دن صرف جائز ہے کہ اگر وسائل مہیا نہ ہو سکیں تو کر لے جائز ہے سنت نہیں۔ لہٰذا مردہ سنت کو زندہ کرنیوالی بات (اس موقع پر) غلط ہے اور جاہلوں کی سی بات ہے، جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں۔ (فتاویٰ برکاتیہ صفحہ 279 ملخصاً)

اس فتویٰ کے مطابق بھی غیر مقلدین زمانہ کا چوتھے دن قربانی کو سنت قرار دینا غلط ٹھہرا اور چوتھے دن جب نہ حضور علیہ السلام نے (نہ ہی کسی صحابی نے) قربانی کی تو اس دن کی قربانی پر اجر ملنا کہاں سے آ گیا۔

اس لیے علامہ وحید الزمان تیسیر الباری 373/5 پہ لکھتے ہیں کہ:

امام مالک، سفیان ثوری، امام احمد، امام ابوحنیفہ اور اکثر اہلِ حدیث کا یہ قول ہے کہ قربانی بارھویں تاریخ تک درست ہے۔

اور جس کسی روایت میں بارہویں کے بعد تیرہویں (عید کے چوتھے دن) قربانی کا ذکر ہے وہ روایت کسی نہ کسی اعتبار سے قابلِ احتجاج واستدلال نہیں ہے جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم والی روایت (کل ایام التشریق ذبح) کے بارے میں فتاویٰ علماء حدیث 169/13 پہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی لکھتے ہیں کہ یہ روایت مختلف طریق سے مقطوع مرفوع ثقات ضعاف سے مروی ہے۔ تمام طرق میں کچھ نہ کچھ نقص ہے علاوہ ازیں اس روایت کے دیگر راویان پر بھی کتب اسماء الرجال میں

خوب خوب جرح کی گئی ہے۔

(تفصیل کیلئے دیکھئے زاد المعاد صفحہ 446، نیل الاوطار 133/5، نصب الرایہ 213/4، تہذیب التہذیب 276/4، میزان الاعتدال 252/2، الدرایہ 145/2، تقریب التہذیب صفحہ 140، مجمع الزوائد 161/1، التعقیب صفحہ 486، سنن کبریٰ جلد 9 سلسلۃ الاحادیث 498/1، 296/9، کتاب الضعفاء الصغیر مع تاریخ صغیر صفحہ 252، ترمذی 92/1، تاریخ صغیر للبخاری صفحہ 138، تہذیب تاریخ دمشق 286/2، الجوہر النقی 296/9، التعلیق المغنی 284/4)

یہی حال باقی روایات کا ہے مثلاً جو ابن قیم وشوکانی نے اسامہ بن زید عن جابر سے نقل کی ہے۔ وہ مندرجہ بالا روایت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں اسی وجہ سے امام بخاری نے اس کو ترک کیا۔ (تہذیب 309/1)

البنایہ میں ہے کہ اس سند سے یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ (البنایہ 177/4)

نواب صدیق حسن نے بھی اس روایت کے ایک راوی معاویہ بن صالح کو ضعیف لکھا ہے۔ (مسک الشام 136/4)

قربانی اور ذبیحہ کے اجماعی مسائل:

یہاں پہ چند وہ مسائل لکھے جا رہے ہیں کہ جن کا تعلق قربانی کے جانور اور عام ذبیحہ سے ہے اور ان مسائل پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے یا اگر کوئی اختلاف ہے تو کسی ایک کا جس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ بعض لوگ بلا تحقیق بڑے دعوے سے کہہ دیتے ہیں کہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس میں کسی نہ کسی نے اختلاف نہ کیا ہو حالانکہ ہر باب میں کئی مسائل ایسے مل جاتے ہیں کہ جن میں آئمہ کرام اور علماء مجتہدین کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ چنانچہ قربانی اور ذبیحہ سے متعلق چند متفق علیہ مسائل ملاحظہ ہوں۔

- قربانی کے دن طلوع فجر (صبح صادق) سے پہلے قربانی جائز نہیں۔
- قربانی کا گوشت مسلمان فقیروں کو کھلانا مباح ہے۔
- اگر جائز آلہ سے قربانی کرے، بسم اللہ پڑھے، حلق اور دونوں رگیں کاٹ دے

اور خون بہا دے، تو ایسے قربانی شدہ جانور کا کھانا مباح ہے۔

- گونگے کا ذبیحہ جائز ہے۔
- ذبیحہ کے پیٹ سے بچہ مردہ برآمد ہو تو اس کی ماں کی قربانی اس کیلئے کافی ہوگی۔
- عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ مباح ہے اگر صحیح طریقہ سے ذبح کر سکیں۔
- اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے اگر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں۔

ابن المنذر نے کتاب الاقناع میں مزید لکھا ہے کہ اگر اہلِ کتاب کے ذبیحہ کا حال نامعلوم ہو تو بھی ہمارے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کا نامعلوم ذبیحہ ہمارے لیے جائز ہے۔ شیخ عبداللہ بن زید آل محمود نے اس مسئلہ کی تائید اپنے رسالہ "فصل الخطاب فی حل ذبائح اہل کتاب" میں کی ہے۔ (التحقیق)

- دارالحرب میں مقیم (اہلِ کتاب) کا ذبیحہ حلال ہے۔

صرف امام مالک کے نزدیک یہودی کے ذبیحہ کی چربی کھانا منع ہے۔ (ابن المنذر)

- مجوس کا ذبیحہ حرام ہے، کھایا نہیں جائے گا صرف حضرت سعید بن المسیب نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔ (ابن منذر)
- کتے شکاری جانور ہیں، اگر کسی مسلمان نے انہیں شکار کرنا سکھایا اور بسم اللہ کے بعد شکار پر چھوڑا، اور اس نے اس شخص کیلئے شکار پکڑ لیا تو ایسا شکار کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کالا کتا نہ ہو۔
- دریائی شکار، یا اس کی خرید و فروخت یا خورد و نوش حالتِ احرام وغیرہ میں بھی جائز ہے۔ (کتاب الاجماع للامام ابی بکر ابن المنذر نیشاپوری)

هذا آخر ما قصدته من هذا الكتاب، وقد منَّ اللّٰه الكريم فيه بماهو أهل له من الفوائد النفيسة والدقائق اللطيفة من انواع العلوم ومهمّاتها، ومستجاداتِ الحقائق و مطلوباتها، ومن تفسير آيات من القرآن العزيز و بيان المراد بها، والأحاديث

الصحيحة وايضاح مقاصدها، وبيان نكت من علوم الاسانيد و دقائق الفقه و معاملات القلوب وغيرها، والله المحمود على ذٰلك وغيره من نعمه التي لا تحصى، وله المنّة أن هداني لذلك، ووفقني لجمعه ويسره عليّ، وأعانني عليه، ومنّ عليّ باتمامه، فله الحمد والامتنان والفضل والطَّوْل والشكران، وأنا راجٍ من فضل الله تعالى دعوةَ أخ صالح انتفع بها تقرِّبني إلى الله الكريم، وانتفاع مسلم راغب في الخير ببعض ما فيه أكون مساعداً له على العمل بمرضاة ربِّنا، وأستودعُ اللّٰهَ الكريم اللطيف الرحيم مني ومن والديَّ وجميع أحبابنا وإخواننا ومن أحسن إلينا وسائر المسلمين أدياننا وأماناتِنا وخواتيمَ أعمالنا، وجميعَ ما أنعم الله تعالٰى به علينا، وأسأله سبحانه لنا أجمعين سلوك سبيل الرشاد، والعصمةَ من أحوال أهل الزّيغ والعناد، والدوام على ذٰلك وغيره من الخير في ازدياد، وأتضرّع إليه سبحانه أن يرزقنا التوفيق في الأقوال والأفعال للصواب، والجرىَ على آثار ذوى البصائر والألباب، إنه الكريم الواسع الوهاب، وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه متاب، حسبنا الله ونعم الوكيل، ولا حول ولا قوة إلا بالله العزيز العظيم، والحمد لله رب العالمين أولاً وآخراً وظاهراً وباطناً، وصلواته وسلامه الأطيبان الاتمان الأكملان على سيدنا محمد خير خلقه وعلى آله وصحبه أجمعين، كلما ذكره الذاكرون، وغَفَل عن ذِكْره الغافلون، وعلى سائر النبيين وعلى كل وسائر الصالحين۔

ماخذ ومراجع باعتبار حروف تہجی

1- احیاء العلوم للغزالی
2- اٹھارہ تقریریں
3- ایام قربانی
4- اہم مسائل قربانی
5- بارہ تقریریں
6- البدایہ والنہایہ
7- البنایہ شرح الہدایہ
8- بدائع الفوائد
9- بدائع الصنائع
10- تفسیر نعیمی
11- تفسیر حقانی
12- تاریخ ابن عساکر
13- تورات
14- تفسیر مظہری
15- تفسیر کبیر
16- تفسیر ابن ابی حاتم
17- تفسیر المنار
18- تفسیر مجاہد
19- تفسیر خازن
20- تاریخ ابن جریر
21- تذکرۃ الانبیاء
22- تفسیر الکشاف
23- تفسیر ابن کثیر
24- تلخیص الجبیر
25- تفسیرات احمدیہ
26- تبیان القرآن
27- تفسیر فتح القدیر
28- تہذیب التہذیب
29- تذکرۃ الحفاظ
30- تحفۃ الذاکرین
31- تیسیر الباری
32- تقریب التہذیب
33- التعقیب
34- تاریخ صغیر
35- تہذیب تاریخ دمشق
36- التعلیق المغنی

37- تفسیر بینات القرآن
38- تفسیر ضیاء القرآن
39- تبیین الحقائق
40- جامع ترمذی
41- جلاء الافہام
42- الجامع لاحکام القرآن
43- جامع الاصول فی احادیث الرسول
44- جامع صغیر
45- الجواہر النقی
46- الحاوی للفتاویٰ
47- حاشیۃ الاسوقی علی شرح الکبیر
48- خزائن العرفان حاشیہ کنز الایمان
49- الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ
50- درمختار
51- دلائل النبوۃ للبیہقی
52- الدر المنثور فی التفسیر الماثور
53- ذکر خلیل
54- روح البیان
55- روح المعانی
56- ردالمحتار المعروف فتاویٰ شامی
57- سیرت حلبیہ
58- سعادت دارین
59- سنن ابی داوٗد
60- سنن کبریٰ
61- سیرۃ نبویہ
62- سنن ابن ماجہ
63- سنن نسائی
64- سنن دارمی
65- سنن دارقطنی
66- سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ والضعیفہ
67- شعب الایمان
68- شان مصطفیٰ بزبان مصطفیٰ بلفظِ انا
69- شرح صحیح مسلم للنووی
70- الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ
71- شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور
72- شرح موطا امام محمد
73- شاہنامۂ اسلام
74- شرح المہذب
75- الشرح الکبیر
76- شرح معانی الآثار
77- شرح ترمذی
78- صحیح بخاری
79- صحیح مسلم
80- صحیح ابن حبان

81- صحیح ابن خزیمہ
82- الطبقات الکبریٰ
83- عہد نامہ قدیم
84- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری
85- فتاویٰ حامدیہ
86- فتوح الشام
87- فتاویٰ کبریٰ
88- فتاویٰ ابن تیمیہ
89- فتاویٰ قاضی خان
90- فتاویٰ تاتارخانیہ
91- فتاویٰ نذیریہ
92- فتاویٰ ثنائیہ
93- فتاویٰ برکاتیہ
94- فتاویٰ اہل حدیث
95- فتاویٰ ستاریہ
96- فتاویٰ رضویہ
97- فصل الخطاب فی حل ذبائح اہل الکتاب
98- قصص الانبیاء
99- القرآن الکریم
100- القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع
101- القول الانیق
102- القاموس المحیط
103- کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن
104- کشف الغمہ
105- الکامل فی التاریخ
106- کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال
107- الکافی
108- کنز الحقائق
109- کتاب الضعفاء الصغیر
110- کتاب الاجماع
111- لغات الحدیث
112- مسالک الحنفاء
113- مسند بزار
114- معجم کبیر
115- المستدرک للحاکم
116- معالم القرآن
117- مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح
118- مسند احمد بن حنبل
119- مدارج النبوۃ
120- مشکوٰۃ المصابیح
121- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد
122- مسند حمیدی
123- محیط

124- مسک الشام
125- محمدی زیور المعروف فقہ محمدیہ
126- المحلیٰ
127- میزان الاعتدال
128- مرعاۃ المفاتیح
129- مسائل غیر مقلدین
130- مؤطا امام مالک
131- مقاصد الامامت
132- نیل الاوطار
133- نزول الابرار
134- نصب الرایہ
135- لمعات
136- ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث

مقامِ
37- تف
38- تف
39- تہ
40- جا
41- جا
42- الہ
43- ج
44- ج
45- ا
46- ا
47-
48-
49- ا
50-
51-
52-
53-
54-
55-
56-
57-
58-

ہماری چند دیگر مطبوعات
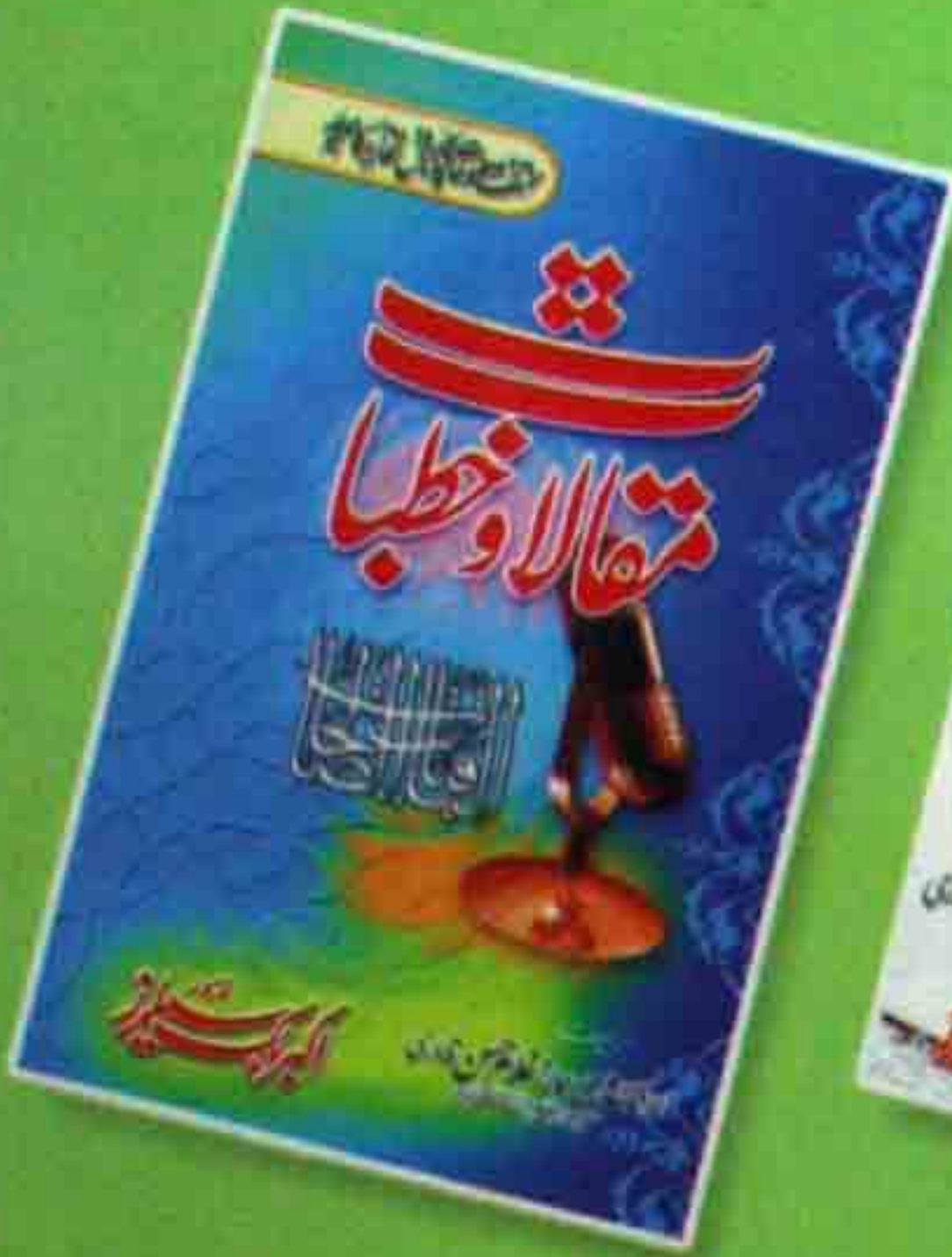
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

کی نئی تصنیفات

بخاری پڑھو
لیکن
ساری پڑھو

فیضان مسلم شریف
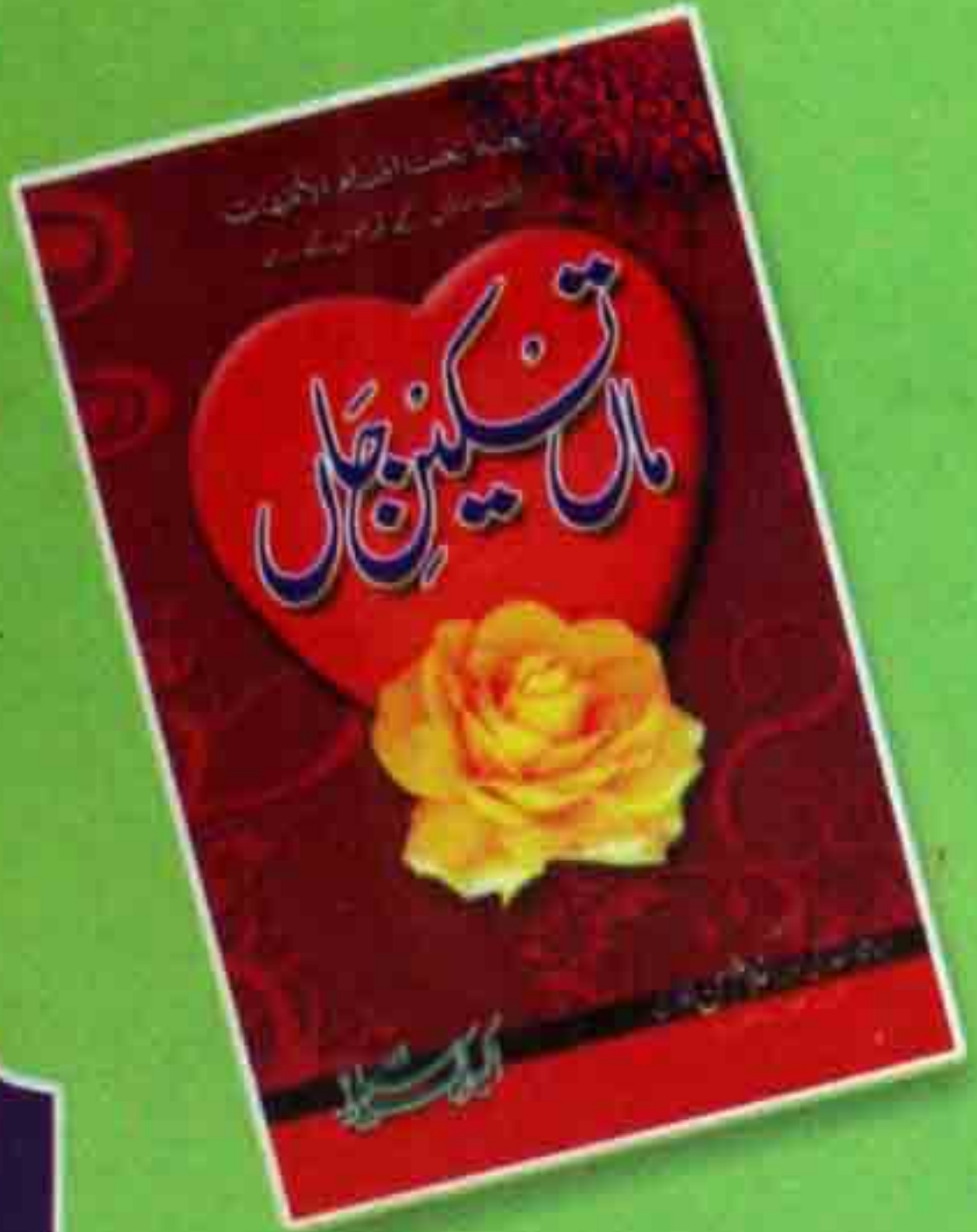
ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور
Ph: 042 - 7352022
Mob: 0300-4477371